بسم اللہ الرحمن الرحیم

**بیادگار: حضور حافظِ ملت علامہ شاہ الحاج عبد العزیز قدس سرہٗ بانی الجامعۃ الاشرفیہ**

الجامعۃ الاشرفیہ کا دینی اور علمی ترجمان

# ماہنامہ اشرفیہ

مبارکپور

زیرِ سرپرستی:

عزیز ملت حضرت علامہ شاہ الحاج عبد الحفیظ صاحب قبلہ

سربراہِ اعلیٰ الجامعۃ الاشرفیہ


ربیع الثانی ۱۴۳۸ھ

جنوری ۲۰۱۷ء

جلد نمبر ۴۱ شمارہ ۱



## مجلس ادارت

مدیر اعلیٰ: مبارک حسین مصباحی

نائب مدیر: محمد طفیل احمد مصباحی

منیجر: محمد محبوب عزیزی

تزئین کار: مہتاب پیامی

## مجلسِ مشاورت

مولانا محمد احمد اعظمی مصباحی

مفتی محمد نظام الدین رضوی مصباحی

مولانا محمد ادریس بستوی مصباحی

مولانا عبد المبین نعمانی مصباحی



**ترسیل زر و مراسلت کا پتہ**

دفتر ماہنامہ اشرفیہ، مبارکپور

اعظم گڑھ یو۔پی۔ ۲۷۶۴۰۴

**چیک اور ڈرافٹ**

بنام

**مدرسہ اشرفیہ**

بنوائیں

**THE ASHRAFIA MONTHLY**

Mubarakpur. Azamgarh

(U.P.) India. 276404

کوڈ نمبر ———— 05462

دفتر ماہنامہ اشرفیہ ———— 250149

الجامعۃ الاشرفیہ ———— 250092

دفتر اشرفیہ ممبئی فون/فیکس 23726122

قیمت عام شمارہ: 20 روپے

سالانہ: 200 روپے

سری لنکا، بنگلا دیش، پاکستان، سالانہ

500 روپے

دیگر بیرونی ممالک

20 $ امریکی ڈالر   £ 15 پونڈ


**نوٹ:** آپ ماہنامہ اشرفیہ ہر ماہ انٹرنیٹ پر بھی پڑھ سکتے ہیں۔


http://www.aljamiatulashrafia.org   E.mail: ashrafiamonthly@gmail.com

مولانا محمد ادریس مصباحی نے نشاط آفسیٹ پریس سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ اشرفیہ مبارکپور، اعظم گڑھ سے شائع کیا۔

# مشمولات


| | | | |
|---|---|---|---|
| اداریہ | پدم شری بیکلؔ اتساہی-چندیادگار نقوش | مبارک حسین مصباحی | ۳ |

**تحقیقات**

| | | | |
|---|---|---|---|
| تاریخی تحقیق | ارض فلسطین کا تاریخی جائزہ | مولانا محمد علی فاروقی | ۱۰ |

**فقہیات**

| | | | |
|---|---|---|---|
| آپ کے مسائل | کیا فرماتے ہیں............. | مفتی محمد نظام الدین رضوی | ۱۴ |

**نظریات**

| | | | |
|---|---|---|---|
| فکر امروز | چیچنیا کانفرنس کی صدائے بازگشت | مفتی ابن جماعۃ علیمی | ۱۶ |

**اسلامیات**

| | | | |
|---|---|---|---|
| شعاعیں | صدیوں کا سفرِ شوق | غلام مصطفیٰ رضوی | ۲۰ |
| اخلاق و آداب | اطاعتِ والدین قرآن واحادیث کی روشنی میں | مبین احمد جامعی | ۲۲ |

**غوثیات**

| | | | |
|---|---|---|---|
| بزمِ تصوف | شیخ عبد القادر جیلانی اور تحریک احیاے دین | حافظ محمد ہاشم قادری | ۲۷ |

**شخصیات**

| | | | |
|---|---|---|---|
| انوارِ حیات | ورق ورق زندگی | محترمہ صغریٰ بیگم خانم | ۳۰ |
| یادیں | بیکلؔ اتساہی کے ساتھ امریکہ میں چند لمحات | مولانا محمد قمر الحسن قمر بستوی | ۳۵ |
| یادیں | حضرت بیکلؔ اتساہی کی چند رس بھری یادیں | ڈاکٹر یعقوب اختر | ۳۹ |

**بزمِ دانش**

| | | | |
|---|---|---|---|
| فکر و نظر | اہلِ سنت کے غیر مربوط علما و مشائخ۔ اسباب اور حل | مولانا قاضی محمد علی مصباحی/مولانا جاوید احمد عنبر مصباحی | ۴۱ |

**ادبیات**

| | | | |
|---|---|---|---|
| نقد و نظر | کلیاتِ بیکلؔ اتساہی | تبصرہ نگار: مبارک حسین مصباحی | ۴۸ |
| خیابانِ حرم | نعتیں | حسّان الہند بیکلؔ اتساہی | ۵۱ |

**مکتوبات**

| | | |
|---|---|---|
| صداے بازگشت | یعقوب اختر اورنگ آبادی/مولانا محمد عرفان علی قادری/محمد قمر رضا در بھنگوی | ۵۲ |

**سرگرمیاں**

| | | |
|---|---|---|
| خبر و خبر | مومن پور کولکاتا میں بدمذہبوں کی ہزیمت/سرائے ترین سنبھل میں جشن عید میلاد النبی ﷺ/بلاری میں جشن عید میلاد النبی کانفرنس/مبارک پور میں انجمن اہلِ سنت واشرفی دار المطالعہ کے زیرِ اہتمام جلسہ و جلوسِ عید میلاد النبی ﷺ | ۵۴ |

اداریہ

# پدم شری بیکلؔ اتساہی - چند یادگار نقوش

مبارک حسین مصباحی

اک جانِ آرزو ہے نگاہوں کے سامنے　　　یہ عرصۂ حیات کہیں مختصر نہ ہو

آہ! صد بار آہ! حسان الہند حضرت بیکلؔ اتساہی کا عرصۂ حیات ختم ہو گیا۔ ان کے وصال پر ملال کی دل و دماغ کو ہلا دینے والی خبر سے ان سے متعلق حلقوں میں صفِ ماتم بچھ گئی، ملک اور بیرون ملک ان کے چاہنے والے مختلف جہات میں ہیں، دینی، ملی، علمی، ادبی، شعری، سیاسی، سماجی اور خاندانی تقریباً تمام شناسا حضرات نے ان کی موت کا گہرا احساس کیا۔ وہ ایک عظیم فن کار تھے، ان کے کلام، لہجے اور آواز کے رسیا کروروں تھے۔ یہ بھی ضروری نہیں کہ وہ اپنے مداحوں سے واقف ہوں، ان کو بلا تفریق مذہب و ملت دنیا کا ایک بڑا طبقہ جانتا اور مانتا تھا۔

یکم دسمبر ۲۰۱۶ء کو اپنی قیام گاہ بلرام پور میں برین ہمریج ہوا، دہلی کے رام منوہر لوہیا اسپتال کے آئی سی یو میں داخل کرایا گیا۔ صحت یابی کی ہزار کوشش کے باوجود وہ بچ نہیں سکے۔ ۳ر دسمبر ۲۰۱۶ء کی صبح ۴ر بج کر ۳۰ر منٹ پر ان کا انتقال ہو گیا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

ان کے جسدِ خاکی کو دہلی واقع سرکاری رہائش گاہ ۲۵ر ایوینو لایا گیا، وہاں سے دوپہر کو بذریعہ ایمبولینس اپنے وطن بلرام پور لایا گیا۔ بیکلؔ کدے پر چاہنے والے شیدائیوں کا ہجوم تھا، وہ سابق ممبر راجیہ سبھا تھے، سیاسی طبقوں میں بے پناہ مقبولیت تھی، دہلی، لکھنؤ اور بلرام پور کی سیاسی پارٹیوں کے کثیر اہلِ سیاست پہنچ رہے تھے، اسی دن مخدوم گرامی عزیز ملت حضرت علامہ شاہ عبد الحفیظ مصباحی دامت برکاتہم العالیہ کے دولت کدے بھوج پور میں شادی تھی۔ حضرت نے حکم دیا اور دار العلوم اشرفیہ مبارک پور میں ایصالِ ثواب کیا گیا اور تعطیل کر دی گئی، حضرت عزیز ملت نے صدر العلما حضرت علامہ محمد احمد مصباحی دامت برکاتہم العالیہ سے فرمایا کہ آپ کسی کو لے کر حضرت بیکلؔ اتساہی کی نمازِ جنازہ میں شریک ہو جائیں۔ آپ نے جامعہ اشرفیہ کے مؤقر استاذ حضرت علامہ عبد الحق رضوی دام ظلہ العالی کو ساتھ لیا، انھیں کے ساتھ عالی جناب ماسٹر فیاض احمد عزیزی بھی تھے۔ وہاں پہنچ کر حضرت صدر العلما نے نمازِ جنازہ پڑھائی اور انھیں بصد حسرت و یاس سپردِ خاک کر دیا گیا۔ آہ اس وقت ہمیں ان کا یہ شعر یاد آ رہا ہے۔

یارب پڑی رہے مِری میت اِسی طرح　　　بیٹھے رہیں وہ بال پریشاں کیے ہوئے

انھیں کا ایک اور شعر ملاحظہ فرمائیے۔

خدا کے لیے اب نہ ہم کو پکارو، ہمیں چھوڑ دو راہِ طیبہ میں یارو　　　اسی راہ میں موت آجائے ہم کو، اسی خاک میں ہم کفن ڈھونڈتے ہیں

لودی محمد شفیع خاں عرف بیکلؔ اتساہی کی ولادت یکم جون ۱۹۲۸ء میں موضع گورر موا پور تحصیل اترولہ، ضلع گونڈہ (یوپی) میں ہوئی۔ ۳ر دسمبر ۲۰۱۶ء میں آپ کا وصال ہو گیا۔ اس مختصر حیات میں آپ نے زندگی و بندگی، شعر و ادب، فکر و فن، مذہبی اور سیاسی میدان دور تک طے فرمائے۔ ہر محاذ اور ہر مقام پر اللہ تعالیٰ نے آپ کو بے شمار کامیابیاں عطا فرمائیں۔ آپ ایک عظیم آفاقی اور بین الاقوامی سطح کی مشہور اور مقبول شخصیت تھے، آپ کی حیات و فکر کے جس رخ پر بھی نظر ڈالیے، دل و دماغ معطر ہوتے چلے جاتے ہیں۔ آپ ایک عظیم شاعر تھے، جن کے یہاں حمدیں، نعتیں، منقبتیں، غزلیں، دوہے، قطعات، قومی گیت، لوک گیت، کنڈلیاں، ہائیکو اور ماہیے وغیرہ انفرادی شان کے ساتھ ملتے ہیں۔ آپ نے اردو ہندی میں علاحدہ علاحدہ کلام بھی پیش کیے ہیں اور دونوں زبانوں کے امتزاج سے اشعار بھی خوب کہے ہیں۔ آپ نے اودھی، پوربی اور بھوجپوری کے لب و لہجہ کو بھی بھرپور انداز سے برتا ہے۔ ان کے اشعار میں لفظوں کا بانکپن، لہجے کی انفرادیت، مفاہیم کی بلندی، محاوروں کی دل کشی خوب ملتی ہے، آپ کا وجود مشاعروں کی جان ہوتا تھا۔ آپ اکثر مشاعروں میں منصبِ صدارت پر جلوہ فگن رہتے تھے، کلام کی رنگینی، انداز کی شگفتگی دلوں کو موہ لیتی تھی، ان کے لطیف انداز اور لباس کی پرکشش سادگی ذہنوں کو گرویدہ بنا لیتی تھی، اسلامی اور ادبی ناز و ادا دل و دماغ فریفتہ کر لیتی تھی، چہرے پر

دورنگی داڑھی، داہنی جانب ٹھوڑی کے قریب ایک سیدھی سفید طویل کاش اور بائیں کان کے قریب ایک طویل سفید کاش ان کی شناخت تھی۔ ان کا یہ انداز ہزاروں میں بھی منفرد نظر آتا تھا۔

آپ نے دیگر شعرا اور ادبا کی کتابوں پر گراں قدر تحریریں لکھی ہیں۔ ان نگارشات بیکلؔ اتساہی کو اگر کوئی باذوق جمع کر دے تو فکر وفن سے لبریز ایک ضخیم نثری مرقع جمیل بھی منظرِ عام پر آجائے گا، یہ آپ کی نثری خدمات کے ایک اہم حوالے کا اضافہ ہوگا۔ خدائے برتر اس کا بھی جلد نظم فرمائے گا۔

۱۹۸۵ء میں ہم بحیثیت طالب علم جامعہ اشرفیہ مبارک پور میں داخل ہوئے۔ حضرت بیکلؔ اتساہی، اجملؔ سلطان پوری اور رازؔ الہ آبادی کے نام تو بہت سنے تھے، مگر ان میں سے کسی کی زیارت کا شرف حاصل نہیں ہوا تھا۔ اشرفیہ کی طالب علمانہ زندگی میں ہمیں معلوم ہوا کہ حضرت بیکلؔ اتساہی حضور حافظِ ملت کے مریدِ خاص اور جامعہ اشرفیہ کی مجلسِ شوریٰ کے رکن ہیں۔ ان دنوں آپ کی زیارت بار بار ہوئی، یک طرفہ شناسائی کی ملاقاتیں بھی ہوتی رہیں، فراغت کے بعد جب ہمارا انتخاب بحیثیت استاذ اور مدیر ماہ نامہ اشرفیہ ہوا، تو دو طرفہ شناسائی کے ساتھ ملاقاتوں کا سلسلہ شروع ہوگیا اور پھر بات گھر آنگن تک آپہنچی۔ ماہ نامہ اشرفیہ میں وہ پہلے بھی چھپتے رہے تھے اور یہ حسین سلسلہ اب بھی جاری رہا۔

حضرت بیکلؔ اتساہی سے ہمارے روابط فکر وفن کے استفادہ کی بنیاد پر تو تھے ہی، در اصل وہ حضور حافظِ ملت علیہ الرحمہ کے سچے مرید اور شیدائی تھے، اس نسبت کی وجہ سے ہماری رسائی ان کے گھر تک ہوگئی تھی۔ ان کی اہلیہ محترمہ، ان کے فرزندگان اور ان کی بیٹیوں سے بھی شناسائی ہوگئی تھی۔ ان کے بڑے فرزند ارجمند عالی جناب اعجاز العزیز جن کو سب پیار سے ”اجّن بھائی“ کہتے ہیں، ان سے ہماری بڑی بے تکلفی ہے۔ ایک بار ان سے ہماری ملاقات ممبئی میں ہوئی۔ وہ فرمانے لگے کہ مبارک بھائی! آپ کو معلوم ہے کہ خانوادۂ برکاتیہ مارہرہ مطہرہ کے ایک عظیم فرد محترم سید محمد اشرف میاں برکاتی ممبئی میں انکم ٹیکس کے ایک بڑے افسر ہیں، صاحبِ طرز ادیب اور بڑے شاعر ہیں۔ ہم نے کہا: بھائی ہم خوب واقف ہیں، بار بار ملاقاتیں ہو چکی ہیں وہ عصری علوم سے زیادہ خانقاہی فکر و مزاج کی علامت ہیں، آپ آگے فرمایئے ہوا کیا؟ تو انھوں نے کہا، ایک دن ایک مشاعرے میں جاتے ہوئے ان سے ملاقات ہوگئی، ان کا حکم ہوا کہ اجن بھائی آج آپ ہمارے ساتھ مشاعرے میں تشریف لے چلیں، انھوں نے مشاعرے کی بڑی دل چسپ روداد سنائی اور کچھ منتخب اشعار بھی سنائے، مگر اشعار حسبِ عادت ہم بھول گئے۔

کئی سال پہلے کی بات ہے ہماری شریک حیات کے سر میں درد ختم نہیں ہو رہا تھا، حضرت عزیز ملت نے حکم دیا کہ دہلی جا کر ان کا چیک اپ کروا دیجیے۔ ان دنوں حضرت بیکلؔ اتساہی راجیہ سبھا کے ممبر تھے۔ ہم نے ان سے رابطہ کیا، انھوں نے فرمایا آپ فوراً لے آیئے، ہماری بیٹی ان کا چیک اپ کرا دیں گی۔ ہم لے کر گئے، ڈاکٹر صوفیہ بلقیس نے متعدّد مقامات پر چیک اپ کرائے اور معقول علاج کے لیے بھی توجہ دلائی، بفضلہٖ تعالیٰ انھیں آرام بھی ہوگیا۔

حضرت بیکلؔ اتساہی دار العلوم اشرفیہ مبارک پور سے بڑا گہرا رابطہ رکھتے تھے، انھوں نے اشرفیہ کی محبت میں ہر نازک موقع پر اپنے تن من کی قربانی پیش کی ہے۔ عہدِ شباب میں توان کا بہت آنا جانا تھا، حضور حافظِ ملت بھی ان سے بڑی محبت فرماتے تھے، حلقۂ عزیزی کے پروگرام والے ان سے رابطہ نہیں کرتے بلکہ حضور حافظِ ملت سے گذارش فرماتے، حضور حافظِ ملت ان کو مکتوب لکھتے اور بڑے پیار و محبت سے گذارش فرماتے کہ آپ اگر فلاں تاریخ میں خالی ہوں تو بہت اچھا ہوگا، فلاں جگہ کے لوگ آپ کے تعلق سے بڑے بے چین ہیں۔ اگر آنا ممکن ہو تو آپ ضرور پہنچیں، اپنی شرکت کی کیفیت سے بھی آگاہ فرماتے۔

بارہا ایسا ہوا کہ عرس حضور حافظِ ملت کے موقع پر تشریف لاتے تو ہماری قیام گاہ کو بھی شرف بخشتے اور ہمارے بچوں کو بھی بزرگانہ شفقتوں سے نوازتے۔ ایک بار اپنی اہلیہ محترمہ کو ساتھ لائے تو پہلے ہمارے غریب خانہ کو نوازا۔ محترمہ کو ہم ”بیکلنی صاحبہ“ کہتے ہیں۔ وہ ہماری اہلیہ کو بالکل اپنی بچی کی طرح محبتوں سے سرفراز فرماتی ہیں اور ہماری بچیوں کو اپنی نواسیوں کی طرح پیار دیتی ہیں۔ ہمارے غریب خانے سے فارغ ہوکر حضرت عزیز ملت دامت برکاتہم العالیہ کی قیام گاہ پر تشریف لے گئے۔

۱۴۱۲ھ/۱۹۹۲ء میں آپ کا نعتیہ دیوان ”والضحیٰ“ شائع ہوا۔ ۲۴۰ر صفحات کے مجموعے میں آپ کی بڑی پیاری اور دلکش نعتیں ہیں۔ بطور مقدمہ ”بیکلؔ میری نظر میں“ حضرت علامہ مشتاق احمد نظامی علیہ الرحمہ کی پرکشش تحریر ہے۔ نظامی صاحب نے اپنی نگارش کا آغاز اس شعر سے فرمایا ہے۔

اے چشمِ یار تیری عنایت کا شکریہ　　　　اک درد تونے کیا دیا بیکلؔ بنا دیا

حضرت بیکلؔ اتساہی نے ”والضحیٰ“ کا آغاز ان اشعار سے کیا ہے۔

مرے ضمیر کو مولا مرا قاضی کر دے　　　　فیصلہ جو بھی ہو منت کش ماضی کر دے

اے خدا ایک جھلک ہی کے لیے بیکلؔ ہوں　　　　اپنے محبوب کو میرے لیے راضی کر دے

حضرت بیکلؔ اتساہی نے ”والضحیٰ“ کے چند نسخے بڑی محبت سے ہمیں عنایت فرمائے تھے۔

اس وقت ہماری نگاہوں کے سامنے آپ کی یادگار تصنیف ”والفجر“ ہے۔ ۱۹۲ صفحات پر مشتمل اس نعتیہ دیوان کے مرتب راقم مبارک حسین مصباحی ہیں۔ اس عرفانی اور نورانی مجموعۂ اشعار کی اشاعت المجمع المصباحی مبارک پور نے کی ہے۔ ۱۹۹۷ء میں شائع ہونے والی اس اہم کتاب کا کاغذ اعلیٰ اور ٹائٹل انتہائی خوب صورت ہے۔ ”بیکلؔ اتساہی کی نعتیہ شاعری“ کے عنوان سے ایک اہم تحریر ڈاکٹر فضل الرحمٰن شرر مصباحی کے قلم سے ہے۔ اس وقیع تحریر میں بیکلؔ اتساہی کے فکر وفن اور شاعرانہ امتیازات پر ایک جامع گفتگو ہے۔ حضرت بیکلؔ اتساہی کے تعلق سے ایک اہم بات آپ نے متعدد بار ہم سے بیان فرمائی۔ ہم ذیل میں اس واقعے کو انھیں کے الفاظ میں نقل کرتے ہیں۔ ڈاکٹر شرر مصباحی لکھتے ہیں:

”اس وقت میں دار العلوم اشرفیہ میں متوسطات کا طالب علم تھا، شعر وسخن سے لگاؤ تھا، نیاز فتح پوری کے رسالہ ”نگار“ کے مطالعہ نے ذہن و دماغ میں ادبی ولسانی شدت پیدا کر دی تھی، چناں چہ بیکلؔ صاحب کے کلام کے تنقیدی جائزے کے ارادے سے میں نے ان کے مجموعوں کا مطالعہ شروع کیا اور یک طویل مضمون سپرد قلم کیا، جو رسالہ فروغ اردو لکھنؤ میں ”شعر گفتن چہ ضرور“ کے عنوان سے کئی قسطوں میں شائع ہوا۔ مضمون کے شائع ہوتے ہی دار العلوم اشرفیہ میں ہلچل مچ گئی۔ ایک حلقہ میرا طرف دار، دوسرا بیکلؔ نواز اور دونوں گروپ کے درمیان بحث ومباحثہ کا سلسلہ کافی دنوں تک جاری رہا۔

دار العلوم اشرفیہ کے سالانہ اجلاس کے موقع پر حضرت مولانا نذیر الاکرم مرادآبادی تشریف لائے، حضرت اکرم العلما نے بیکلؔ صاحب کی موجودگی میں مجھے طلب کیا اور فرمایا کہ فروغ اردو میں جو مضمون شائع ہوا ہے وہ تمھارا ہے؟ میں نے ہاں میں جواب دیا تو حضرت نے رسالہ منگوایا اور مجھے فرمایا کہ مضمون کو میرے سامنے پڑھو، میں نے بے تکلف پڑھنا شروع کر دیا اور ان کے استفسارات کے جواب بھی دیے اور حضرت کو اطمینان بھی ہو گیا۔“ (والفجر، ص:۷)

در اصل اس وقت دار العلوم اشرفیہ میں یہ مشہور ہو گیا تھا کہ یہ مضمون کسی اور نے لکھا ہے اور شرر کو آلہ کار بنایا گیا ہے، مگر ایسا نہیں تھا بلکہ یہ ان کے فکر ومزاج کی بات تھی، جو آج تک باقی ہے۔ ڈاکٹر شرر مصباحی اسی مقام پر مزید لکھتے ہیں:

”بیکلؔ صاحب سے یہ میری پہلی ملاقات تھی، انھوں نے مضمون پر خود کوئی ردِ عمل ظاہر نہیں کیا اور نہایت خندہ پیشانی سے پیش آئے۔“

”والفجر“ میں حضرت مولانا محمد صابر القادری نسیمؔ بستوی علیہ الرحمہ کا ”حسان الہند حضرت بیکلؔ اتساہی ایک عظیم نعت گو“ وقیع ادبی مضمون ہے جو اسی کے لیے لکھا گیا ہے۔ جناب ابرار کرت پوری کا قابلِ توجہ نقشِ تحریر بھی ہے اور خاص بات یہ ہے کہ اس میں ”چہ گفتم“ کے عنوان سے حضرت بیکلؔ اتساہی کی لفظی نزاکتوں سے لبریز مسکراتی ہوئی یادگار تحریر بھی شامل ہے۔ آپ تحریر فرماتے ہیں:

”الحمد للہ! اب مجھے یہ سعادت حاصل ہو رہی ہے کہ ”والفجر“ طبع ہو کر قارئین کی خدمت میں پیش ہے۔ اس مجموعے میں نعتیں مختلف انداز میں پیش کی ہیں۔ ان میں میری شاعری کی ابتدائی دور کی نعتیں بھی شامل ہیں اور آج کی بھی، خاص کر بھوج پوری، اودھی اور پوربی زبان کے لوک لہجوں کے نعتیہ گیت، ردیف قافیہ کی پابند نعتیں، نظمیں، دوہے، ہائیکو، ماہیے، قطعات شامل ہیں۔ ان گیتوں اور نعتوں کو لگ بھگ ۴۵ر سال سے لوگ سنتے آرہے ہیں۔ اور بہار اور پوربی اتر پردیش کے گاؤں میں روایت بن کر رہ گئی ہے۔ مجھے یہ فخر اور سعادت حاصل ہے کہ ان نعتوں اور گیتوں کو اکثر سیرت اور میلاد کے جلسوں میں صوفیائے کرام اور بزرگانِ دین وملت نے سنا ہے اور سراہا ہے اور دعاؤں سے نوازا ہے۔“ (والفجر، ص:۲۰، ۲۱)

بیکلؔ اتساہی نے اس میں "گردش دوراں" کے عنوان سے ایک نظم لکھی ہے، اس کا ایک بند ذیل میں دیکھیے۔

جیسے مایوس کرم کے خشک ہونٹوں پر ہنسی — گرمیوں میں دھوپ ہو، جاڑوں میں جیسے چاندنی
سرزمینِ ہند، یوں ہے بہرِ مسلم آج کل — اک زن بیوہ کی جیسے مفلسی میں زندگی
جاگ ذرا ناداں مسلماں۔ جاگ ذرا ناداں!

حضرت بیکلؔ اتساہی جب عرس حافظ ملت میں تشریف لاتے تو زائرین عرس انھیں دیکھنے اور انھیں سننے کے لیے بے قرار رہتے۔ آپ نے اپنے مرشدِ گرامی حضور حافظ ملت نور اللہ مرقدہ کی شخصیت وفکر پر بہت سے مناقب لکھے۔ آپ نے دار العلوم اشرفیہ سے لے کر جامعہ اشرفیہ تک بڑی گراں قدر فکری اور عملی خدمات انجام دی ہیں۔ آپ نے ۱۹۷۲ء میں مجلس شوریٰ کی تشکیل میں کلیدی کردار ادا کیا۔ آپ نے حضور حافظ ملت کے وصال پر ملال کے بعد تعزیتی منظومات پر مشتمل ایک کتاب بھی مرتب کرائی تھی، جامعہ اشرفیہ کے داخلی بحران کو بڑی جرأت اور جواں مردی سے حل فرمایا تھا۔ اگرچہ اس موقع پر بنیادی کردار علامہ ارشد القادری علیہ الرحمہ اور دیگر مشائخ نے انجام دیا، مگر آپ کی زیرکی اور دور اندیشی نے بھی بڑا کام کیا۔

جب دہلی سے مجلّہ "فکر و آگہی" کا "بیکلؔ اتساہی نمبر" شائع ہوا تو اس کے لیے آپ نے ہمیں مضمون لکھنے کا حکم دیا۔ ہم نے بڑی عقیدت سے "بیکلؔ اتساہی اپنے مرشد کی بارگاہ میں" تحریر کیا۔ یہ ایک کامیاب ضخیم نمبر شائع ہوا۔ اس میں دیگر مضامین اور دستاویزی مقالات بھی تھے۔ چند سال قبل معروف ادیب فاروق ارگلی نے "کلیات بیکلؔ اتساہی" مرتب کیا۔ اس کلیات میں بیکلؔ اتساہی کی مکمل منظومات نہیں بلکہ اکثر ہیں۔ وہ تمام منظومات جن کا تعلق آپ کے مرشد گرامی حضور حافظِ ملت، اکابر علما اور مشائخ سے ہے، خانقاہوں اور درس گاہوں سے ہے، اسی طرح اور بھی بہت سی منظومات ہیں، خدا جانے کیوں انھیں نظر انداز کر دیا گیا ہے۔ چند روز قبل ہم نے اسے امام احمد رضا لائبریری جامعہ اشرفیہ مبارک پور میں تلاش کیا تو یہ کتاب مل گئی، خوشی اس بات کی ہوئی کہ ہماری مذکورہ تحریر بھی اس میں شامل ہے۔ ۱۱۰۶ صفحات کی یہ وقیع کتاب فرید بک ڈپو دہلی نے شائع کی ہے۔

حضرت بیکلؔ اتساہی کے ساتھ متعدّد پروگراموں میں شرکت کا موقع ملا، مبارک پور، بدھیانی، گونڈہ، احمد آباد، بلرام پور، ممبئی وغیرہ، ایک دفعہ ہم ان کے دولت کدے پر بلرام پور میں تھے کہ انھوں نے فرمایا کہ آج ہمیں شام کو بہرائچ جانا ہے اور آپ بھی ہمارے ساتھ چلے چلیں، حکم اور معیت کا سہارا لے کر ہم تیار ہو گئے۔ اب شام کو گاڑی کا انتظار تھا، دروازے کے باہر روڈ پر ایک گاڑی کی آواز سنی تو ہم دیکھنے کے لیے اٹھنے لگے، آپ نے فرمایا ارے بھائی بیٹھے رہیے، اگر وہی ہیں تو وہ خود آئیں گے، اس جملے کی اہمیت کا ہمیں آج تک احساس ہے۔ ایک بار انھوں نے متعدّد ادبی رسائل عنایت فرمائے کہ ان کو دیکھیے، ان میں سے بعض کو ہم پہلے سے جانتے تھے اور بعض کو پہلی بار دیکھا، ان میں اردو کے نثر و نظم پر قابلِ ذکر مضامین اور منظومات بھی تھے۔ ان کا فائدہ یہ ہوا کہ ہم نے بھی انھیں جاری کرا لیا۔

حضرت بیکلؔ اتساہی کو سرکاری اور غیر سرکاری ایوارڈس اور میڈلس تو بہت ملے، ہم نے بلرام پور میں ان کی قیام گاہ پر مختلف حیثیتوں کے کثیر ایوارڈ دیکھے ہیں اور توصیف ناموں کی زیارت بھی کی ہے۔ ان ایوارڈس اور اعزازات کی تفصیل محترمہ صغریٰ خانم صاحبہ کے مضمون میں اسی شمارے میں موجود ہے، اس کے بعد جو کچھ ہوا وہ ہماری معلومات کے مطابق یہ ہے: جامعہ انوار القرآن بلرام پور سے "حافظِ ملت ایوارڈ" ہماری آنکھوں کے سامنے انھیں ملا۔ یہ ایوارڈ دو حیثیتوں سے بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ ایک تو آپ کے مرشدِ گرامی کے نام سے ہے اور دوسری اہم خصوصیت یہ ہے کہ یہ جامعہ بلرام پور کا ایک تاریخی ادارہ ہے، جس کی سرپرستی زندگی کے آخری دم تک حضرت حافظِ ملت نے فرمائی اور اس کے بعد سے ان کے لختِ جگر حضرت عزیزِ ملت فرما رہے ہیں۔ اور خاص بات یہ ہے کہ حضرت بیکلؔ اتساہی کا بحیثیت ایک ذمہ دار اس ادارے سے مسلسل تعلق رہا۔ آپ کو حکومت اتر پردیش نے "یش بھارتی" ایوارڈ سے بھی سرفراز کیا۔ اور سب سے خاص بات یہ ہے کہ حضرت خواجہ غریب نواز کے شہر اجمیر مقدس میں آپ کو یادگار اعزاز سے سرفراز کیا گیا۔

بیکلؔ اتساہی نے ہمارے نام متعدّد خطوط تحریر فرمائے ہیں، بروقت صرف دو خطوط نقل کرنے کا شرف حاصل کرتے ہیں۔

جون ۲۰۰۲ء میں حضرت بیکلؔ اتساہی نے حسب ذیل مکتوب اور "ذکر ہے غوث پاک کا" کے عنوان سے ایک منقبت ارسال فرمائی:

مکتوب: عزیزی مولانا مبارک حسین صاحب............دعائے کثیر

ادھر میں بھاگ دوڑ میں تھا اور ابھی بھی ۱۵؍ جون تک سفر رہے گا۔ کل گھر آیا۔ اشرفیہ کا تازہ شمارہ باصرہ نواز ہوا۔ آپ اسے بہتر سے بہترین بنانے میں منہمک ہیں۔ کاوش کبھی رائگاں نہیں ہوتی۔ میں ایک عرصے سے بزمِ اشرفیہ میں شرکت سے محروم رہا۔ آج گیارہویں شریف کے سلسلے میں جولائی شمارے کے لیے ایک منقبت بھیج رہا ہوں کہ اسے اچھی جگہ دیں گے اور اپنی پسندیدگی اور رسید کی اطلاع دیں گے۔

امید ہے مزاجِ گرامی بخیر ہوگا، حضور عزیز ملت کی خدمت میں سلام و نیاز و نیز بچوں کو بے حد دعائیں۔ فقط والسلام

بیکلؔ اتساہی

بھیجی ہوئی منقبت کے چند اشعار ذیل میں ملاحظہ فرمائیے:

عطرتِ گل سے خوش خرام ذکر ہے غوثِ پاک کا ۔۔۔ عام ہے عشرتِ دوام، ذکر ہے غوثِ پاک کا

ہر ایک سانس نکہتیں، ہر اک نگاہ حرمتیں ۔۔۔ لطفِ حق کا اژدہام، ذکر ہے غوثِ پاک کا

یہ بیکلؔ اک فقیر ہے، عزیزؔ اس کا پیر ہے ۔۔۔ قبول اس کا ہو کلام، ذکر ہے غوثِ پاک کا

بیکلؔ اتساہی ماہ نامہ اشرفیہ توجہ سے پڑھتے تھے، بعض مواقع پر انھوں نے دیگر شعرا پر اصلاحی تنقید بھی فرمائی ہے، اس سلسلہ میں ایک مکتوب ذیل میں پڑھیے۔ یہ مکتوب جنوری ۲۰۰۴ء میں شائع ہوا ہے۔

عزیز القدر مولانا مبارک حسین مصباحی صاحب ............................. محبتیں و اخلاص فراواں

نومبر کا اشرفیہ فردوس نظر ہوا، نثری حصہ لائق استفادہ ہے، ترتیب و ادارت میں خوش سلیقگی اجاگر ہے اور نعت کے سلسلے میں مولانا بدر القادری کو نظرِ ثانی کرنا چاہیے، مطلع یوں ہے۔

زہے نصیب میں سرکار کے گداؤں میں ہوں ۔۔۔ ہوں بے لباس مگر رحمتوں کی چھاؤں میں ہوں

یہ بے لباسی کیسی؟ ہونا تو یوں چاہیے تھا...

"میں غم کی دھوپ میں تھا، رحمتوں کی چھاؤں میں ہوں"

دوسرا شعر یہ ہے۔

مرے قریب گر آنا تو با ادب آنا ۔۔۔ حذر! میں گردشِ دوراں میں ان کی یاد میں ہوں

یہاں یہ "حذر" کیا؟ اگر "سنبھل" ہوتا تو عام فہم ہوتا، پھر قافیہ چھاؤں، گاؤں وغیرہ ہے تو یہ "یاد میں ہوں" کیسے۔ بہر حال مولانا بدر اپنے ہیں، میں بے حد احترام اور پیار کرتا ہوں تو جو کھٹک تھی لکھ دیا ورنہ تمام شعرانہ جانے کیا کیا کہتے ہیں، کہاں تک درست ہوں گے۔

آج آئندہ شمارے کے لیے ایک نعت بھیج رہا ہوں۔ امید ہے نمایاں چھاپو گے۔ بچوں کو عید کی مبارک باد، پیار، دعائیں، خدا کرے مع الخیر ہوں گے۔ ۔۔۔ بیکلؔ اتساہی

حضرت مولانا بدر القادری مدظلہ العالی نے بیک وقت کئی مکتوب تحریر فرمائے ان میں ایک بیکلؔ اتساہی کے نام بھی تھا۔ اس میں بیکلؔ اتساہی کے لیے ہدیۂ تشکر بھی تھا اور اپنی صفائی بھی۔ مکتوب کا ایک اقتباس ذیل میں پڑھیے:

محترم و مکرم حسان الہند خسرو عزیز حضرت بیکلؔ اتساہی صاحب قبلہ ۔۔۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

.... ممنون کرم ہوں کہ میری کج مج تک بندیوں کو آپ جیسے کہنہ مشق شاعر اور کرم فرما بزرگ کہیں طبع شدہ دیکھ کر بے اعتنائی سے گزر نہیں جاتے، بلکہ التفات فرماتے ہیں، اور یہ یقیناً بزرگان سلف خصوصاً سرکار حافظ ملت علیہ الرحمہ سے میری شرفِ غلامی کا ثمرہ ہے۔ عجیب اتفاق ہے کہ دسمبر ۲۰۰۳ء کا اشرفیہ مجھے اب تک ملا بھی نہیں۔ مگر آپ نے جن دو شعروں کی اصلاح فرما کر مجھے سرخرو کیا، ان میں پہلے شعر کے بارے میں عرض ہے کہ۔

زہے نصیب میں سرکار کے گداؤں میں ہوں　　　ہوں بے لباس مگر رحمتوں کی چھاؤں میں ہوں

"بے لباس" سے میری مراد لباس تقویٰ سے خالی ہونا ہے۔ اور یہ مصرعہ موزوں کرتے وقت میرے پیشِ نظر آیتِ مبارکہ "لباس التقویٰ ذالك خير" تھی۔ اربابِ صلاح وفلاح میں عارفِ رومی علیہ الرحمہ نے بھی فرمایا۔

بندگی آمد لباسِ زندگی　　　زندگی بے بندگی شرمندگی　　　(اشرفیہ، جون ۲۰۰۴ء)

حضرت علامہ بدر القادری دام ظلہ العالی نے عربی اور فارسی سے استشہاد فرمایا ہے جب کہ ان کا شعر اردو کا ہے۔ زبان کے بدلنے سے کبھی کبھی لفظوں اور محاوروں کے مفاہیم بھی بدل جاتے ہیں۔

اب ہم کچھ ان کی شاعری کے تعلق سے عرض کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

یہ ایک سچائی ہے کہ آپ کی ولادت ایک زمیندار گھرانے میں ہوئی، اس خاندان میں اس وقت ایک بھی شاعر نہیں تھا، آپ نے حالات کے مدوجزر کے باوجود تعلیم حاصل فرمائی اور شعر وسخن میں دلچسپی لینے لگے، والد ماجد نے بارہا اپنی ناراضگی کا اظہار فرمایا، بار بار فرماتے، یہ دیکھو ہمارے گھر میں ایک نچنیا پیدا ہوگیا ہے، مگر جب انھیں معلوم ہوا کہ ہمارا بیٹا تو نعت گوئی میں بڑا مقبول ہو گیا تو ان کی سوچ کا زاویہ بدلا اور وہ بجائے نفرت کے محبت فرمانے لگے۔ حسان الہند حضرت بیکل اتساہی کی منفرد اور یادگار شاعری جمع کی جائے تو کم از کم دو ہزار صفحات بنیں گے اور یہ ان کی شاعری کا پہلو ہے اور شاعری میں بھی اشعار کی کثرت اور قلت نہیں دیکھی جاتی، بلکہ اصل معیار دیکھا جاتا ہے۔ بڑا شاعر زیادہ اشعار کہنے کی وجہ سے نہیں بلکہ معیاری اشعار کہنے کی وجہ سے بنتا ہے۔ بیکل اتساہی کا جو کلام دیکھیے اپنی جگہ منتخب اور یادگار نظر آتا ہے۔ اور یہ تو ان کی زندگی کا ایک رخ ہے، ان کی زندگی کے کثیر رخ ہیں اور جس رخ پر بھی نظر ڈالیے ایک مسکراتا ہوا جہان نظر آتا ہے۔ اب ہم یہاں بلا تبصرہ چند اشعار نقل کرتے ہیں۔

ایسا منظر لائیے صدیوں کے منظر بول دیں　　　حال کی مٹھی میں مستقبل کے پتھر بول دیں
انگنت ہوں رنگ پھولوں کے تو خوشبو ایک ہو　　　یوں سجاؤ باغ دھرتی کے مقدر بول دیں

"استقبالِ سال نو" کے عنوان سے آپ نے بڑی اچھی نظم کہی ہے، اس میں امن و شانتی کی دعا اور نفرت وفساد کی وبا سے بیزاری ہے۔ آپ نے مادرِ وطن کے دردناک ماضی کو اشعار میں اتار دیا ہے۔

پھر فرقہ پرستی عام نہ ہو　　　یک جہتی خیالِ خام نہ ہو
الگاؤ لیے آسام نہ ہو　　　گجرات میں پھر طوفان نہ ہو
پنجاب میں خالصتان نہ ہو
میرٹھ کا سکوں برباد نہ ہو　　　ہر شہر مراد آباد نہ ہو
پھر ٹاٹا نگر مغموم نہ ہو　　　کیرل کی فضا مسموم نہ ہو
احساس بڑودہ چور نہ ہو　　　غدارِ وطن مغرور نہ ہو
پھر دستِ ہنر ناپاک نہ ہو　　　پھر باغ علی گڑھ خاک نہ ہو
ٹوٹے نہ عبادت گاہ کوئی　　　اپنائے نہ ضد کی راہ کوئی
مسلا ہوا کوئی پھول نہ ہو　　　ہر شیشۂ دل پر دھول نہ ہو
پھر فتنہ کوئی آزاد نہ ہو　　　مالی بھی کوئی صیاد نہ ہو
مرا گلشن مالا مال رہے
یہ سال تو اچھا سال رہے

آپ نے قطعات بھی بھرپور فکر اور انوکھے لہجے میں لکھے ہیں، فرماتے ہیں۔

مجھے نہ دیکھو تو میرا شعورِ غم دیکھو　　　جو ہو سکے تو کچھ اپنی حدِ ستم دیکھو

میں ایک شاعرِ فطرت تو ایک حسن خموش — تم اپنے عکس سے پہلے مِرا قلم دیکھو

آگے فرماتے ہیں۔

بہت اچھا کیا اپنوں نے رُسوا کر دیا مجھ کو — وگرنہ دشمنوں کا یہ بھی اک ارمان رہ جاتا
جو اپنے شہر والے گالیاں مجھ کو نہ دے لیتے — تو میرے حاسدوں کا مجھ پہ یہ احسان رہ جاتا

بیکلؔ اتساہی نے ”اپنی دھرتی“ کے عنوان سے ایک انتہائی دل کش نظم لکھی ہے۔

رشکِ فردوسِ بریں، چاند ستاروں سے حسیں
میری دھرتی، میرا محبوب وطن میری زمیں

اس کی مٹی نے دیا لعل و جواہر کو کمال — عقل کو اس کی ہواؤں سے ملا حسنِ شعور
اس کے جل تھل میں ہے نکھرا ہوا امرت کا جمال — آگ سے اس کو ملا فن کی حرارت کا سرور

اس کے احساس میں تخلیق و تجسس کا یقیں
میری دھرتی، میرا محبوب وطن میری زمیں

اب ہم ذیل میں حضرت بیکل اتساہی کے مخصوص رنگ و آہنگ اور معیاری فکر و فن کے اشعار پیش کرتے ہیں۔ آپ ”معراج کی رتیا“ کے عنوان سے لکھتے ہیں۔

چاند سُرج بھئے دوؤ نچھاور تلون پر من موہن کے — کونے جیبھ سے کوؤ بکھانے مکھڑا عربی ساجن کے
روح الامیں چلے بطحا کو تجھ سے آس لگائے — چرنن سے انکھیاں مل مل کے ملن سندیس سنائے

پڑھتی چلی درود بیریا، سہرا ساتوں کلمن کے

چلا براق آکاش پہ جگ مگ، سیس چھتر لہرائے — ایہر اوہر دوئی اور فرشتے سارا جگ للچائے

جگر مگر بھئی آج کی رتیا نبی چلے دولھا بن کے

پاگل پنچھی جیسے پیو بن اک پل کل نہ پائے — بیکلؔ بِن جل جیسے مچھری تڑپ تڑپ راہ جائے

ویسے ہمرو نیناں بیکلؔ بھیک دو داتا درشن کے

”رحمت کی چدریا“ کے عنوان سے لکھتے ہیں۔

اللہ سے بَندَن کے ناتا سُندر بے جوڑ ملائے گیو — اُمی سگرو جگ باکھ دِہس مُل پارن ماسمجھائے گیو
مٹی کا ادمی کر دینھو کانکر پاتھر بلوائے لیو — دوئی جگ کے گسیّاں صلِ علیٰ سنسار کے بھاگ جگائے گیو
رَستن پر کانٹا چھترائس، موزے پر کوڑا برسائس — ایسے بیری کے گاڑھے سمے بگڑی تقدیر بنائے گیو
پہلے مِہرُوَن کے جگ ما کونے کرتھے ما نہ جوری رہا — اک جوت نجر کی ڈار دیہو جیون اوہ کے چمکائے گیو
سگری رتیا سُبرات بھئی، چھو اور درود پڑھیں قدسی — اے صلِ علیٰ ایسی جوتی آکاس تلک برسائے گیو

کوئی رٹ رٹ پیو پیو بھئے بیکلؔ کوئی بِرہا اگن سے بھئے کوئل
اویں ہیں بیکلؔ حبشی قرنی جِن جن کے مَن مسکائے گیو

حضرت بیکلؔ اتساہی ایک عظیم شاعر تھے، ان کے فکر و فن میں نت نئے خیال آتے اور گاؤں کے لہجے میں شہروں کے مسائل حل کر دیتے تھے۔ وہ بے شمار خوبیوں کے جامع تھے، ان کی رحلت نہ صرف بلرام پور کا المیہ ہے بلکہ ہر طرف غم و اندوہ کا سناٹا ہے اور بات صرف ہند کی نہیں بلکہ دیگر ممالک میں آپ کی عظمتوں کے منارے آہ و فغاں کر رہے ہیں۔ حادثہ صرف شعری دنیا کا نہیں بلکہ ادبی، مذہبی اور سیاسی دنیا میں بھی آپ کے لیے سخت احساسِ جدائی ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل اور اپنے پیارے محبوب ﷺ کے طفیل آپ کی مغفرت فرمائے۔ آمین بجاہ حبیبہ سید المرسلین، علیہ الصلاۃ والتسلیم۔ ☆☆☆

تاریخی تحقیق

# ارضِ فلسطین کا تاریخی جائزہ

مولانا محمد علی فاروقی

**مشہور یہودی** پیشوا ابی یسرائیل ڈیوڈویس نے ۱۴ مئی ۲۰۱۲ کو بیروت میں اسرائیلی ریاست کے قیام کے تعلق سے ایک ایسا بیان دیا جس نے دنیا کو حیرت زدہ کردیا اور اسرائیلی ریاست کے تعلق سے یہودیوں کی قلعی کھول دیا اس کا کہنا ہے کہ یہودی ریاست کا وجود توراۃ کی تعلیمات کے برعکس بالکل غلط ہے اور خدا کے ساتھ بغاوت ہے۔ توراۃ کے مطابق زمین کا ایک انچ بھی یہودی ریاست کے نام پر حاصل کرنا سخت منع ہے۔

یہودی ابی یسرائیل ڈیووِیس کے اس بیان کے بعد یہودیوں کے اس دعویٰ کی کیا حقیقت رہ جاتی ہے کہ خدا نے یہ ملک میراث میں انھیں دیا ہے۔ تاریخ گواہ ہے کہ یہودی نہ کبھی اس کے اصل باشندہ تھے اور نہ انھیں یہ ملک کسی وراثت میں ملا۔ حقیقت یہ ہے کہ خود بائبل کی تفصیل کے مطابق تیرہ سو سال قبل وہاں عرب کنعانی اور فلسطین بود و باش اختیار کئے ہوئے تھے۔ جو درحقیقت وہاں کے اصلی باشندے اور اس زمین کے اصلی حق دار ہیں۔ یہودیوں نے وہاں کے اصلی باشندوں پر حملہ کرکے اور ان کے شہروں کو تہس نہس کرکے اس طرح سے وہاں قبضہ جمایا، جس طرح سے گورے انگریزوں نے امریکہ کے اصلی باشندے اور وہاں کے اصلی حق دار (Redintians) کا قتل عام کرکے اور انھیں تباہ و برباد کرکے اسے قبضہ کرلیا۔ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے، جس کا تمام انصاف پسند مورخوں کو اعتراف ہے۔

تیرہویں صدی قبل مسیح یہودیوں نے اصل باشندوں کے قتل و غارت گری کے بعد اس ملک پر قبضہ جمایا اور اس کے تقریباً تین سو سال بعد دسویں صدی قبل مسیح میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے والد گرامی سیدنا داؤد علیہ السلام نے وہاں ایک عظیم الشان عبادت خانہ کے تعمیر کا پروگرام بنایا، جو ان کی زندگی میں پورا نہ ہوسکا، مگر ان کے بعد ان کے صاحب زادے حضرت سلیمان علیہ السلام نے وہاں ایک عظیم الشان ہیکل کی تعمیر کی۔ جو تاریخ میں ہیکل سلیمانی (TEMPLE OF SOLOMON) کے نام سے مشہور ہے۔

آٹھویں صدی قبل مسیح شمالی فلسطین میں آشوریوں کے ذریعے اسرائیلیوں کا قتل عام ہوا۔ انھوں نے ان کا قلعہ قمع کرکے ان کی جگہ اس کے پرانے باشندوں کو لا بسایا، جو عربی النسل تھے۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہودیوں کو فرعون کے ظلم و ستم سے نجات دلائی اور انھیں لے کر ارضِ فلسطین کی طرف لوٹے۔ اس وقت وہاں عمالقہ کی حکمرانی تھی۔ جن کی بلند قامتی اور درازقدی کی وجہ سے یہودیوں پر ان کی ایسی دہشت طاری ہوئی کہ انھوں نے نہ صرف اس سے مقابلہ کی ہمّت کھودی، بلکہ حضرت موسیٰ کی شان میں گستاخی کرتے ہوئے بدتمیزی بھی کی جس کا ذکر قرآن میں اس طرح ہے۔

قالوا یموسیٰ انا لن ندخلھا ابدا ما داموا فیھا فاذھب انت و ربک فقاتلا انا ھٰھنا قاعدون۔ (سورہ مائدہ آیت ۲۱ تا ۲۴)

کہنے لگے اے موسیٰ ہم تو اس میں اس وقت تک ہرگز داخل نہیں ہوں گے جب تک وہ وہاں ہیں۔ پس تم اور تمھارا رب وہاں جاکر لڑلو۔ ہم تو یہیں بیٹھیں گے۔

جس کے نتیجہ میں انھیں چالیس سال کے لیے وادی تیہ میں قید کر دیا گیا۔ اس آیت میں اسی کا ذکر ہے۔ اس دوران حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام دنیا سے رخصت ہوچکے تھے۔ ان کی جگہ یوشع بن نون کی معیت میں ان کی نئی نسل فلسطین میں داخل ہوئی۔ وہاں پہنچنے کے کچھ زمانہ بعد ہی ان میں سرکشی اور بغاوت کے جذبات پھر پنپنے لگے۔ انھوں نے خشیت خداوندی اور تقویٰ و طہارت کے بجائے اپنے ہمسایوں پر ظلم و ستم کا طوفان کھڑا کردیا۔ جس کے نتیجے میں خدا نے بابل کے بادشاہ بخت نصر کو ان پر مسلط فرمایا۔ جس نے جنوبی فلسطین پر حملہ کرکے ہیکل سلیمانی کو جلا کر راکھ کے ڈھیر میں تبدیل کردیا۔ یہودیوں کے بادشاہ "قیاہ" کو قیدی بنا کر تمام یہودیوں کے ساتھ انھیں بھی اپنے شہر بابل لے گیا۔ اس وقت ہیکل سلیمانی کی تباہی کے ساتھ توریت اور تابوت سکینہ بھی دنیا سے ایسی غائب ہوئی کہ آج کے انٹرنیٹ اور سٹالائیٹ کے زمانے میں بھی اس کا سراغ پانا ناممکن ہوگیا۔

مہتمم مدرسہ اصلاح المسلمین و دار الیتامیٰ رائے پور سی، جی۔ m_a_farooqui786@yahoomail.co

اس واقعہ کے تعلق سے بائبیل میں جہاں بخت نصر کا نام تقریباً ۱۰۰ بارآیاہے۔ وہیں قرآن عظیم نے بھی اس کا نام لیے بغیر اس واقعہ کا تذکرہ سورہ بنی اسرائیل آیت ۵ میں اس طرح کیاہے:

فاذاجآء وعداولی ھما بعثناعلیکم عبادالنااولی باس شدید فجاسواخلل الدیار وکان وعدا مفعولا. (سورہ بنی اسرائیل آیت ۵ )

پس جب آگیا پہلاوعدہ ان دنوں وعدوں سے تو ہم نے (تمھاری سرکوبی کے لیے) بھیج دیے اپنے چند بندے، جو بڑے کرخت (اور) سخت تھے۔ پس وہ گھس گئے (تمھاری) آبادیوں میں اور جو وعدہ اللہ تعالی نے کیا تھا اسے تو پورا ہو کر رہنا ہے۔

یہ عذاب الٰہی ان کی سرکشی کا نتیجہ تھا اور یہ ان کا دوسروں پر ظلم وستم کا ثمرہ تھا۔ جس نے انھیں طویل مدّت تک غلامی کی زنجیروں میں جکڑدیا۔ اگرچہ موجودہ بائبیل محرّف ہے۔ ابھی بھی ہر سال اس میں تحریفیں ہورہی ہیں، انجیل آج بھی منزل کی تلاش میں بھٹک رہی ہے۔ مگر اس کے باوجود قرآنی دعویٰ کی صداقت کے لیے آج بھی اس میں بے شمار ایسے شواہد موجود ہیں جو نہ صرف قرآن کے خدائی کتاب ہونے کا اعلان کررہے ہیں بلکہ موجودہ یہودیت کی بدکرداری کو ماضی سے بھی جوڑرہی ہے۔ ذیل میں اس کے چند شواہد ملاخط فرمائیں اور اندازہ لگائیں یہ ماضی کے واقعات ہیں یا موجودہ یہودیت کا آئینہ ہے۔

ایک جگہ حضرت موسیٰ علیہ السلام احکام شریعت کی تبلیغ اور اس پر عمل پیرا ہونے کی تاکید کرنے کے بعد ارشاد فرماتے ہیں کہ خداوند قدوس کا فرمان ہے کہ اگر تم نے سرکشی اختیار کی تو تم کو زبردست عذاب سے دوچار ہونا پڑے گا۔ اور میں تمھارے پرستش کے بلند مقاموں کو ڈھادوں گا اور تمھاری سورج کی مورتوں کو کاٹ ڈالوں گا اور تمھاری لاشیں تمھارے شکستہ بتوں پر ڈال دوں گا اور میری روح کو تم سے نفرت ہوجائے گی اور میں تمھارے شہروں کو ویران کرڈالوں گا اور تمھارے مقدسوں کو اجاڑ بنادوں گا۔ اور میں تمھیں غیر قوموں میں پراگندہ کردوں گا۔ (کتاب احبار باب ۲۶ آیت ۳۴،۳۱،۳۰،)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد جتنے انبیاے کرام کی تشریف آوری ہوئی سبھی اپنی پرسوز انداز میں دردمندانہ طریقے پر عذاب الٰہی سے انھیں مسلسل ڈراتے رہے۔ اس سلسلے میں حضرت یرمیاہ نبی کے دل میں جو اضطراب پایا جاتا ہے، ان کے قلب میں جو بے چینی پائی جاتی ہے، ان کے لہجہ میں جو سوز و گداز ملتا ہے اور ان کی گفتگو سے جو یاس اور حسرت ٹپکتی ہے، بلکہ ان کے آنکھوں سے آنسوؤں کا جو سیلاب امنڈتا ہے وہ اس بات کی غمازی کررہا ہے کہ اس خوفناک، ہلاکت خیز اور اس دردناک عذاب کا وقت بالکل قریب آپہنچاہے، جسے وہ اس وقت اپنے چشم نبوت سے دیکھ رہے تھے۔

مسلسل سمجھانے کے باوجود اور بار بار دردناک عذاب سے متنبہ کرنے کے باوجود جب یہودی قوم اپنے کرتوتوں سے باز نہ آئی تو بے اختیار آپ کی زبان پر اس وقت جو الفاظ جاری ہوتے ہیں۔ اسے پڑھ کر آج بھی دل تھرّا اٹھتے ہیں۔ وہ اس وقت جو فرماتے ہیں، اسے پڑھ کر تو ایسا لگتا ہے کہ جیسے وہ اس وقت کے یہودیوں سے نہیں، بلکہ کے آج کے یہودیوں سے خطاب فرمارہے ہیں۔

خداوند فرماتا ہے، پہاڑوں کی طرف اپنی آنکھیں اٹھا اور دیکھ کون سی جگہ ہے، جہاں تو نے بدکاری نہیں کی۔ تو نے اپنی بدکاری اور شرارت سے زمین کو ناپاک کرایا۔ خداوند نے مجھ سے فرمایا۔ کیا تو نے دیکھا، برگشتہ اسرائیل نے کیا کیا۔ وہ ہر ایک اونچے پہاڑ پر اور ایک ہرے درخت کے نیچے گئی اور وہاں بدکاری کی۔ اور اس کی بے وفا بہن یہودا نے یہ حال دیکھا۔ وہ بھی نہ ڈری بلکہ اس نے بھی جاکر بدکاری کی اور ایسا ہوا کہ اس نے اپنی بدکاری کی برائی سے زمین کو ناپاک کیا اور پتھّر اور لکڑی کے ساتھ زناکاری کی۔ (کتاب یرمیاہ باب ۳ آیت ۹،۸،۷،۶،)

اس وقت کی ان کی سرکشی اور ان کے اس باغیانہ روش پر قہر خداوندی کس طرح انھیں للکار رہاہے، اسی کتاب کا باب ۴ ملاحظہ فرمائیں۔

دیکھو وہ گھٹا کی طرح چڑھ آئے گا۔ اس کے رتھ گردوبار کے مانند اور اس کے گھوڑے عقابوں سے تیزتر ہیں۔ ہم پر افسوس کہ ہاے ہم غارت ہوگئے۔ (کتاب یرمیاہ باب ۴ آیت ۱۲)

ان اقتباسات سے واضح ہوتا ہے کہ گزرتے ہوئے وقت کے ساتھ اس وقت کے یہودیوں نے شریعت موسوی سے کس طرح اپنا رشتہ منقطع کرلیا تھا اور کس طرح وہ اخلاقی پستی میں اور گناہوں کے دلدل میں دن بدن پھنستے چلے جارہے تھے۔

حضرت موسیٰ، حضرت یسعیاہ، حضرت یرمیاہ اور حزقائیل جیسے رسولوں، نبیوں اور پیشواؤں کے ذریعہ بار بار عذاب الٰہی سے انھیں ڈرایا گیا، مسلسل انھیں سمجھایا گیا، لیکن ان کی روش اور ان کے کردار میں کوئی تبدیلی نہیں آئی۔ بالآخر اس پہلے فساد کی پاداش میں ان کی مکمل بربادی کی جو پیشنگوئی انبیاے کرام کرتے چلے آرہے تھے وہ پوری ہوکر رہیں۔ جس کا اس آیت کریمہ میں ذکر کیا گیا ہے۔

ان کے مہلت کی گھڑی ختم ہوتے ہی رب کائنات نے اپنا عذاب بابل کے جابر اور سفاک بادشاہوں کے حملوں کے ذریعہ اس طرح ظاہر فرمایا کہ ۵۹۸ اور ۵۹۹ قبل مسیح ان پر ایسی بھیانک اور ایسی خوفناک تباہی آئی

کہ ان کے بڑے بڑے شہر نیست ونابود کردیے گئے، محلوں کو کھنڈروں میں تبدیل کردیا گیا، یہاں تک کہ ۵۸۷ قبل مسیح بخت نصر نامی بادشاہ آندھی اور طوفان کی طرح اٹھا اور اس نے ایسی تباہی مچائی کہ نہ صرف یروشلم کی اینٹ سے اینٹ بج گئی، بلکہ ہیکل سلیمانی ( TEMPLEOOF SOLOMON) کو بنیاد سے اکھاڑ پھینکا۔ بے شمار یہودیوں کے قتل کے بعد، ان میں جو بچے، انھیں بھی زنجیروں میں جکڑ کر بابل لایا اور غلاموں کی طرح انھیں لوگوں میں بانٹ دیا۔

اسی طرح ایک طویل عرصے تک غلامی کی زنجیروں میں جکڑے رہنے کے بعد اور ظلم وستم کی بھٹی میں جلنے کے بعد مشیت الٰہی ان کی طرف ایک بار پھر متوجہ ہوئی۔ بخت نصر کی موت کے بعد بابل کی حکومت کمزور ہوتی چلی گئی۔ جس کے نتیجے میں فارس کے بادشاہ سیرس دوم (CYRUS II) جسے بائبل میں خورس کے نام سے یاد کیا گیا ہے۔ اس نے لیڈیا اور بابل پر ۵۴۹ قبل مسیح حملہ کرکے وہاں پھر سے یہودا سلطنت کو بحال کرتے ہوئے ہیکل کی تعمیر کا فرمان صادر کیا۔ یہاں تک کہ جو یہودی منتشر ہوکر غلامی کی زندگی جہاں جہاں گزار رہے تھے، انھیں پھر سے یروشلم میں آباد ہونے کا اس نے اعلان کروایا۔ کتاب عزرا کے باب کی اس آیت میں اسی کی طرح اشارہ کیا گیا ہے۔

اور شاہ فارس خورس کی سلطنت کے پہلے سال میں اس لیے کہ خداوند کا کلام جو یرمیاہ کے زبانی آیا تھا پورا ہوا۔ خداوند نے شاہ فارس خورس کا دل ابھارا۔ سو اس نے اپنی تمام مملکت میں منادی کرائی اور اس مضمون کا فرمان بھی لکھا کہ شاہ فارس خورس یوں فرماتا ہے کہ خداوند آسمان کے خدا نے زمین کی سب مملکتیں مجھے بخشی ہیں اور مجھے تاکید کی ہے کہ میں یوشلم میں جو یہوداہ میں ہے۔ اس کے لیے ایک مسکن بناؤں۔ پس تمھارے درمیاں جو کوئی اس کی ساری قوم میں سے ہو، اس کا خدا اسی کے ساتھ ہو اور وہ یروشلم کو جو یہوداہ میں ہے، جائے اور خداوند اسرائیل کے خدا کا گھر جو یروشلم میں ہے بنائے۔ (کتاب عذرا، باب ا، آیت ۳،۲،۱)

اس طرح یہودیوں کے دن پھر پلٹے اور انھوں نے دوبارہ ہیکل سلیمانی کی تعمیر کی۔ ان پر پھر سے عنایات ربانی کا نزول ہو۔ اجس کا سورۂ بنی اسرائیل کی آیت ۶ میں ذکر ہے۔ اس موقع پر ان کے ساتھ حضرت عزیر علیہ السلام بھی تھے۔ جن کی کوششوں سے ان کے اندر ایمانی کی نئی لہر دوڑ گئی۔ مگر یہ روح زیادہ دونوں تک زندہ نہیں رہ سکی۔ ان کے دنیا سے رخصت ہوتے ہی وہ اپنی سرکشی، بغاوت اور بے راہ روی پر پھر سے گامزن ہوگئے۔

جس کے نتیجے میں یونانی بادشاہ سکندر اعظم نے ان پر چڑھائی کردی اور فلسطین پر اپنا قبضہ جمالیا۔ چوں کہ سکندر اعظم یونانی عقیدہ کے لحاظ سے بدترین قسم کے شرک میں مبتلا تھا۔ اس لیے اس نے اپنے زمانہ اقتدار میں مادر وپدر، آزاد تہذیب وتمدّن کو اس طرح فروغ دیا جس نے بے راہ روی کو زبردست طریقے پر آگے بڑھایا، اس نے عیاشی اور شراب نوشی کو گھروں گھر پہونچایا۔ جس کے نتیجے میں یہودیوں کا بااثر طبقہ خصوصًا دولت مند افراد اس کا دلدادہ بن گیا۔ اس کی وجہ سے وہ ساری خرابیاں ان کے یہاں پھر لوٹ آئیں، جس نے پہلے فساد کو جنم دے کر قہر خداوندی کو اپنے اوپر لازم کر لیا تھا۔

اس موقع پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ان خطبوں کا حوالہ دیتا چلوں جس سے اندازہ ہوگا کہ اس وقت کے یہودیوں کا وہ طبقہ گناہوں کے دلدل میں کتنا پھنسا ہوا تھا اور مکروفریب کی دنیا کی وہ کیسی سرپرستی کر رہے تھے۔ آپ فرماتے ہیں:

اے ریا کار فقیہو! اور فریسیو! تم پر افسوس، اے اندھے راہ بتانے والو، اے رحمتو، اے سانپو، اے افعی کے بچو (ایک خبیث قسم کا نہایت زہریلا سانپ)۔ (کتاب متی باب ۲۳)

ایک جگہ قوم کو ان کی بدکرداری پر اور ان کی آوارگی پر تنبیہ کرتے ہوئے ہولناک انجام سے آگاہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ آپ کے اس آگاہی میں کتنا درد ہے، کتنی بے قراری ہے اور کیسی بے چینی ہے اس کا اندازہ پڑھ کر ہی لگایا جاسکتا ہے۔

اے یروشلم! اے یروشلم! تو جو بیٹیوں کو قتل کرتی اور جو تیرے پاس بچ گئے، ان کو سنگسار کرتی ہے۔ کتنی بار میں نے چاہا کہ جس طرح مرغی اپنے بچوں کو پروں تلے جمع کرلیتی ہے، اسی طرح میں بھی تیرے لڑکوں کو جمع کرلوں مگر تم نے نہ چاہا۔ دیکھو تمھارا گھر تمھارے لیے ویران چھوڑا جاتا ہے۔ (متی باب ۲۳ آیت ۳۸،۳۷)

قرآن عظیم اسی حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے سورۂ مائدہ آیت ۷۸ میں فرماتا ہے:

لعن الذین کفروامن بنی اسرآئیل علی لسان داؤد وعیسیٰ بن مریم ذالک بماعصواوکانوایعتدون (مائدہ آیت ۷۸)

بالآخر قہر خداوندی دوسری بار پھر حرکت میں آیا اور ۶۷ء میں ولی عہد حکومت TITUS ۶۰ ہزار رومی لشکر لے کر فلسطین پر حملہ آور ہوا اور گالی کو فتح کرتے ہوئے ۷۰ء میں یروشلم پر قابض ہوگیا۔ اس نے یہودیوں کی سرکشی اور بغاوت کے جرم میں نہ صرف ۱۰ لاکھ یہودیوں کو تہ تیغ کیا بلکہ ایک لاکھ یہودیوں کو غلام اور لونڈی بنا کر بازاروں میں فروخت کرایا۔ ہیکل سلیمانی کے ساتھ ان کے سارے

معبدوں کو ایسا مسمار کیا کہ پھر آج تک اس کی تعمیر نہیں ہو سکی۔
اسی فتح عظیم کی یاد میں روم میں قوس ٹیٹس تعمیر ہوئی ۔

(گرولیر انسائیکلوپیڈیا جلد ۱۹ صفحہ ۱۵۶)

جنرل طیطس (TITUS) نے نہ صرف سارے یہودیوں کو وہاں سے کھدیڑ دیا بلکہ ان کی جگہ وہاں کے اصل باشندے فلسطینی کو لا بسایا جو وہاں کے اصل حق دار تھے اور جنھیں کبھی یہودیوں نے اپنے ظلم و ستم کا نشانہ بنا کر وہاں سے بھگا دیا تھا۔ انھیں کی طرف نسبت کرتے ہوئے اس علاقے کو فلسطین کہا جاتا ہے۔

پیغمبروں پر ان کے ظلم کا اندازہ اس سے لگائیے کہ حق بولنے کے جرم میں انھوں نے حضرت زکریا علیہ السلام کو آری سے کٹوا دیا تھا اور حرام کاری کے خلاف آواز اٹھانے پر انھوں نے سر عام ایک جم غفیر کے سامنے حضرت یحییٰ علیہ السلام کو تہ تیغ کرا دیا تھا۔

جنرل طیطس (TITUS) کے بعد ۱۳۵ء میں بت پرست رومیوں نے بھی بچے کچے یہودیوں کو وہاں سے پھر مار بھگایا۔ اس کے بعد سے وہ ہمشہ ہی دربدر کی ٹھوکریں کھاتے ہی رہے۔ انھیں مسلم ممالک کے علاوہ کہیں بھی چین نصیب نہیں ہوا۔

ظہور اسلام کے وقت وہاں عربی النسل قبائل اور ان کے ساتھ فلسطینی عیسائی آباد تھے۔ جنھوں نے بعد میں اسلام قبول کر لیا۔

لگاتار اٹھارہ سو سال تک دربدر بھٹکنے کے بعد، برطانیہ میں ایک خفیہ پلاننگ کے تحت جنگ عظیم اول کے بعد یہودیوں کو وہاں بسانے کا ایک خطرناک منصوبہ بنایا گیا۔ جو آگے چل کر مذہبی نسل پرست ریاست بن کر آج ساری دنیا کی امن و شانتی کے لیے چیلنج بنا ہوا ہے۔

جس طرح انھوں نے محرف شدہ توریت کا سہارا لے کر اسے خدائی میراث قرار دیا۔ اسی طرح اپنے کو مظلوم بتانے کے لیے جرمنی ڈکٹیٹر ہٹلر کا سہارا لے کر اور ہولوکاسٹ (HOLOKAUST) کا ڈھنڈھورا پیٹ کر یہاں تک کہ اقوام متحدہ کو بلیک میل کر کے اپنے وجود کو منوانے کا ہر روز ایک نیا پینترا اچل رہے ہیں۔

ہندوستان کے بغل میں ایک چھوٹا کمزور ملک بنگلہ دیش بنا اور ساری دنیا نے اسے فوراً تسلیم کر لیا۔ مگر یہودی ریاست آج تک زبردست طاقت رکھنے کے باوجود۔ اقوام متحدہ پر مکمل شکنجہ کسنے کے باوجود، امریکہ جیسے دیش کو اپنا غلام بنانے کے باوجود، ورلڈ بینک اور دنیا کے فنڈ پر پورا پورا قبضہ جمانے کے باوجود آج بھی اپنے وجود کو منوانے کے لیے ہاتھ پیر پٹخ رہے ہیں اور شب و روز چیخ رہے ہیں۔

یہاں اس حقیقت پر بھی ایک نظر ڈالتے چلیے کہ آج فلسطین میں پائے جانے والے اسرائیلی لیڈروں میں سے کسی بھی لیڈر کا تعلق ارض فلسطین سے نہیں ہے۔

خود اسرائیلی لیڈروں کی تاریخ دیکھیے تو یہ حقیقت منہ بولتی نظر آئے گی کہ ان میں سے جس کا کبھی بھی فلسطین سے کوئی تعلق رہا ہو۔ دیکھا جائے تو وہ سب کی سب باہر سے آئے ہیں اور ان سبھوں نے پہلے تو وہاں کے اصل باشندوں کا قتل عام کیا پھر ان کی جگہوں پر غاصبانہ قبضہ کیے بیٹھ گئے۔

تھیوڈور ہرزل (THEODOR HERTZL) جس نے سب سے پہلے ۱۸۹۷ میں یہودی ریاست کا تصور پیش کیا، وہ خود ہنگری کا رہنے والا تھا۔ بن گوریں (BEN GURION) پولینڈ کے ایک شہر پولانسک کا باشندہ تھا۔ گولڈ میئر (Gold MEIR) یوکرین کے ایک علاقے کیو سے آکر فلسطین میں بسا تھا۔ ناجائز صیہونی ریاست کا پہلا صدر وائزمین پولینڈ کی پیداوار ہے۔ اسی طرح اسحاق شمیر (YITZHAK SHMIR) بھی پولینڈ سے آیا تھا۔ بیگن (MENACHEM BEGIN) پریسٹ لٹواسک روسی سے آیا تھا۔

یہ سارے حقائق واضح کر رہے ہیں کہ فلسطین نہ کبھی یہویوں کا تھا، اور نہ کبھی اسرائیلیوں کا ہوگا۔ یہ اسی وقت تک قابض ہیں جب تک ان کی دادا گیری برقرار ہے، ان کی دہشت گردی چل رہی ہے اور جب تک امریکہ برطانیہ کی پشت پناہی اور اقوام متحدہ کی غلامی برقرار ہے۔

اب اس جگہ قرآن کی اس پیشن گوئی پر بھی نظر ڈالتے چلئے۔ جو اس کے خدائی کتاب ہونے کے ساتھ یہودیوں کی ذلّت و خواری پر خدائی مہر لگا رہی ہے۔

ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ اَيْنَ مَا ثُقِفُوْا اِلَّا بِحَبْلٍ مِّنَ اللهِ وَحَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ۔

ان پر جما دی گئی خواری جہاں ہو امان نہ پائیں مگر اللہ کی ڈور اور آدمیوں کے ڈر سے۔ (سورۂ آل عمران آیت نمبر ۱۱۲)

اس کے اصل باشندے عرب النسل فلسطینی ہیں۔ جنھیں کبھی انھوں نے وہاں سے کھدیڑ دیا تھا اور پھر جسے جنرل ٹیٹس (TITUS) نے ان لوگوں کے ظلم و ستم سے نجات دلا کر دوبارہ انھیں وہاں لا بسایا تھا۔ ظہور اسلام کے بعد انہیں لوگوں نے اسلام قبول کر کے ہمیشہ کے لیے اپنا مقدر عربوں کے ساتھ وابستہ کر لیا تھا۔ اور آج جن پر وہ ہر روز ظلم و ستم کا نیا پہاڑ توڑتے رہتے ہیں اور ہر وقت دہشت گردی کا طوفان اٹھاتے رہتے ہیں۔ حقیقت میں وہی مظلوم اور وہی ستم رسیدہ لوگ اصل باشندے ہیں اور وہی دن رات مصیبت جھیلنے والے اس کے اصل حقدار ہیں۔ ❋

# آپ کے مسائل

مفتیِ اشرفیہ مفتی محمد نظام الدین رضوی کے قلم سے

## زید نے اپنی ساس کو بری گالی دی

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین مسئلہ ہذا کے بارے میں کہ زید نے اپنی ساس ہندہ کو بری گالی دی یعنی یہ کہا کہ میں آپ کی فودی (شرم گاہ) کو مارتا ہوں۔

بہارِ شریعت حصہ ۷، ص:۲۶، مسئلہ ۲۵/ پر درج ہے: کسی سے پوچھا گیا، تو نے اپنی ساس کے ساتھ کیا کیا تو اس نے کہا جماع کیا، حرمتِ مصاہرت ثابت ہوگئی، اب اگر کہے میں نے جھوٹ کہ دیا تھا، نہیں مانا جائے گا، بلکہ اگرچہ مذاق میں کہ دیا جب بھی یہی حکم ہے۔

ایسی صورت میں زید کی بیوی اس پر حلال ہے یا نہیں؟ نہ ہونے کی صورت میں بیوی کس طرح شوہر پر حلال ہوگی؟

### الجواب

حکم وہی ہے جو بہارِ شریعت سے آپ نے نقل کیا ہے، ظاہر یہ ہے کہ زید کی بیوی اس پر ہمیشہ کے لیے حرام ہوگئی، زید اس سے کہ دے کہ "میں نے تجھ کو چھوڑ دیا" پھر اسے الگ کر دے، یہاں تک کہ عدت گذار کر وہ جہاں چاہے نکاح کرلے۔ آپ اگر زید اور اس کی ساس کی گفتگو نقل کرتے تو مسئلے کا حکم زیادہ منقح ہو کر سامنے آتا، صورتِ مسئولہ کا حکم میری نگاہ میں یہی ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

## داڑھی کی شرعی مقدار کیا ہے؟

عرض خدمت یہ ہے کہ کیا فرماتے ہیں علمائے کرام و مفتیانِ شرع متین اس مسئلے میں کہ داڑھی کی شرعی مقدار کیا ہے؟ کیا ایک مشت داڑھی رکھنا واجب ہے؟ کیا کسی صحابیِ رسول ﷺ کے صرف معمول سے وجوب ثابت ہوتا ہے؟

### الجواب

داڑھی ایک مشت رکھنا واجب ہے اور یہ وجوب فی الواقع حضور سیدِ عالم ﷺ کے قول و فعل سے ثابت ہے اور صحابیِ رسول کا عمل حدیث رسول کے اجمال کا بیان ہے۔

صحیح مسلم میں ہے: عن ابن عمر ، عن النبی ﷺ قال: احفوا الشّوارب و اَعفُوا اللّحی. مونچھیں پست کرو اور داڑھیاں بڑھاؤ۔ (صحیح مسلم جلد اول، ص:۱۲۹، باب خصال الفطرۃ، مجلس البرکات)

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ داڑھی بڑھانا واجب ہے کہ امر وجوب کے لیے آتا ہے مگر داڑھی کسی خاص حد تک بڑھائیں یا اسے بڑھنے دیں، خواہ جتنی بڑھے اس بارے میں یہ حدیث خاموش ہے۔
اس کا کچھ مبہم بیان حدیث ترمذی میں ہے:

عن عمرو بن شعیب عن ابیه عنجده أن النبی ﷺ کان یاخذ من لحیته من عرضها و طولها. (جامع الترمذی، ج:۲، ص:۱۰۰، ابواب الآداب/ باب ماجاء فی الأخذ من اللحیة مجلس البرکات)

حضرت عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ اپنی ریش مبارک لمبائی اور چوڑائی سے کترتے تھے۔

اس سے معلوم ہوا کہ داڑھی بڑھانے کی ایک حد ہے، مگر وہ حد کتنی ہے، یہ مجمل و مبہم ہے، اس کا بیان حضرت عبد اللہ بن عمرو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ فعل ہے کہ یہ حضرات اپنی داڑھی اپنی مشت سے پکڑ لیتے اور اس سے زائد بال کو کم کر دیتے، یہ حضرات بہت متبع سنت تھے، بالخصوص حضرت سیدنا ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسا کہ احادیث بخاری شاہد ہیں تو ان حضرات کا یہ عمل اس پر محمول ہے کہ انھوں نے سرورِ کائنات ﷺ کو جیسا کرتے دیکھا اسی کے مطابق عمل کیا، یہ حضرات آیتِ کریمہ: لَقَدۡ کَانَ لَکُمۡ فِیۡ رَسُوۡلِ اللّٰہِ اُسۡوَۃٌ حَسَنَۃٌ کا نمونہ تھے، ان کے آثار یہ ہیں۔ صحیح البخاری میں ہے:

عن ابن عمر عن النبی ﷺ قال خالفوا المشرکین و فروا اللحی واحفوا الشوارب و کان ابن عمر اذا حج او

اعمر قبض علی لحیتہ فما فضل اخذہ. (صحیح البخاری، ج:۲، ص:۸۷۵، کتاب اللباس، مجلس البرکات)

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مشرکین کی مخالفت کرو، مونچھیں پست کرو اور داڑھیاں بڑھاؤ، حضرت ابنِ عمر جب حج یا عمرہ کرتے تو اپنی داڑھی کو مٹھی میں پکڑتے اور جو مقدار فاضل ہوتی اس کو کاٹ دیتے۔

روی الإمام محمد فی کتاب الآثار عن ابی حنیفة عن الهیثم عن ابن عمر رضی اللہ عنہ أنه کان یقبض علی لحیته ثم یقب ما تحت القبضة ، قال: به نأخذ ، و هو قول أبی حنیفة. (کتاب الآثار، ج:۲، ص:۸۵۷، کتاب الأدب / باب حف الشعر)

امام محمد نے کتاب الآثار میں روایت کیا کہ وہ اپنی داڑھی کو مشت میں لے کر زائد بال کم کر دیتے، امام محمد فرماتے ہیں کہ ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں اور یہی امام ابو حنیفہ کا قول ہے۔

عن ابی زرعة قال: کان ابو ھر یرة رضی اللہ عنہ یقبض علیٰ لحیته فیاض ذما فضل عن القبضة. (فتح القدیر، ج:۲، ص:۲۷۰، کتاب الصوم، باب ما یوجب القضاء عن مسند ابن ابی شیبة)

ابو زرعہ کا بیان ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی داڑھی مٹھی میں لے کر فاضل بال کو کم کر دیتے تھے۔(مسند ابن ابی شیبۃ)

حدیثِ نبوی "اَعْفُوْا للّحیٰ" اور "وفِّرُوا اللّحیٰ" [داڑھیاں بڑھاؤ] کے راوی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں اور وہ داڑھی کو مٹھی میں لے کر مٹھی سے زائد بال کو کم بھی کر دیتے تھے تو یقیناً ان کا یہ عمل حدیثِ نبوی کے خلاف نہیں کہ جملہ صحابۂ کرام عادل ہیں اور سنت کی محافظت میں حضرت ابن عمر مشہور ہیں تو وہ حدیثِ رسول کی خلاف ورزی نہیں کر سکتے، اس لیے مانا یہی جائے گا کہ داڑھی بڑھانے کا وجوب لا محدود نہیں ہے، بلکہ محدود ہے اور وہ حد ایک مشت ہے، صحابیِ رسول کے عمل سے وجوب نہیں ثابت ہوتا، لیکن وہ حدیثِ رسول کے اجمال کا بیان بطور مذکور ہو سکتا ہے۔

## یزید پلید کے مکہ و مدینہ کو نقصان پہنچانے کی حکمت

کسی نے سوال کی کہ صحابۂ کرام کے پاکیزہ دور میں یزید جیسے پاپی اور بدکار نے ظلم ڈھایا، مکہ اور مدینہ کو نقصان پہنچایا، اس میں کیا حکمت ہے؟

## الجواب

عہدِ رسالت و عہدِ صحابہ و تابعین کو جو خیر القرون کہا جاتا ہے، وہ اکثر کے لحاظ سے ، اور اس میں شک نہیں کہ ان تینوں زمانوں میں اکثر لوگ تقویٰ شعار ، پرہیزگار، خدا ترس اور سنتِ نبوی کے پیروکار تھے اور یہ اس کے منافی نہیں کہ کچھ لوگ ظالم و جفاکار اور جاہل و بدکردار ہوں، حدیثِ پاک میں یہ آیا ہے: خیر القرون قرنی، ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم. سب سے بہتر میرا زمانہ ہے، پھر اس کے بعد والوں کا، پھر اس کے بعد والوں کا۔

اس میں یا اس کی دوسری روایات میں کہیں یہ نہیں کہ ان زمانوں میں کچھ لوگ ظالم و بدکار اور جاہل و جفاکار نہ ہوں گے، چوں کہ ان زمانوں کے اکثر لوگ صالحین اور سنتِ نبوی کے متبعین اور اخلاقِ حسنہ کے پیکر تھے، اس لحاظ سے ان زمانوں کو خیر القرون اور بہتر زمانہ کہا گیا ہے۔ قرآن حکیم میں ہے:

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ. تم لوگ سب سے افضل امت ہو، لوگوں کو بھلائی کا حکم دیتے اور برائی سے روکتے ہو۔(القرآن الحکیم)

تو کیا اس کا یہ مطلب ہے کہ امت کا ہر ہر فرد بھلائی کا حکم دیتا اور برائی سے روکتا ہے اور وہ ساری امتوں سے افضل ہے، ایسا نہیں بلکہ مجموعی طور پر یہ امت افضل قرار پاتی ہے، اور اس کے بعض برے، بلکہ بہت برے بھی ہو سکتے ہیں۔

یزید نے جو مظالم ڈھائے اور اس سے پہلے فرقۂ خوارج نے نے ظلم و ستم کیے اور اس سے بھی پہلے بلوائیوں نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شہید کیا، یہ سارے واقعات در اصل ان لوگوں کے لیے تازیانۂ عبرت ہیں جو خیر القرون کے حوادث اور نو پید امور کو شریعت اور اس کے بعد کے نوپیدا امور کو بدعت و ضلالت کہتے ہیں انھیں چاہیے کہ بلوائیوں، خوارج اور یزید و یزیدیوں کے سیاہ کارناموں کو شریعت کہیں کہ خیر القرون میں ہوئے اور صحیح بخاری و صحیح مسلم اور دوسری کتبِ حدیث کی جمع و تدوین اور قیامِ مدارس دینیہ وغیرہ کو بدعت و ضلالت کہیں کہ یہ خیر القرون کے بعد ہیں، اللہ انھیں سمجھ دے، اہلِ سنت و جماعت کبھی زمانہ کو حاکم نہیں مانتے، بلکہ نوپیدا امر یا فعل کے حسن و قبح کی بنیاد پر اسے شریعت یا بدعت و ضلالت کہتے ہیں، یہاں سے آپ سمجھ سکتے ہیں کہ خیر القرون میں یزید جیسے ظالم و جفاکار لوگ کیسے رونما ہوئے، العیاذ باللہ۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ ☆☆☆

**فکر امروز**

# چیچنیا کانفرنس کی صدائے بازگشت

**مفتی ابن جماعۃ علیمی**

**مورخہ ۲۵ راگست ۲۰۱۶ء** مطابق ۲۱ ذوالقعدہ ۱۴۳۷ھ بروز جمعرات روس کی ریاست چیچنیا میں (اہل سنت و جماعت کون ؟ کے عنوان سے کانفرنس منعقد کی گئی جس میں جامعہ الازہر یونیورسٹی کے سب سے بڑے شیخ، شیخ الازہر احمد الطیب سمیت عالم اسلام کے **۲۰۰** علماو مفکرین اہل سنت نے شرکت کی۔ دنیا کے تقریباسارے ہی ملکوں کے مسلم رہنما سعودی عرب، قطر، جزائر، فلسطین، جارڈن، ترکی، عراق، پاکستان وغیرہ وہاں حاضر تھے۔

گروزنی شہر میں کانفرنس کا آغاز چیچنیا کے صدر رمضان احمد قادروف کی تقریر،، اہل سنت و جماعت کون ہیں ؟ ان کے معتقدت کیا ہیں ؟ اس سے انحراف پر مرتب ہونے والے اثرات کیا ہیں ؟ کے عنوان سے ہوا انہوں نے اہل سنت و جماعت کی جامع تعریف پیش کرنے کی اپیل کی جس کے ذریعے تکفیری خارجی جماعتیں از خود اہل سنت و جامعت سے نکل جائیں۔

اس کانفرنس میں ہندستان سے صرف دو شخصیتوں کو مدعو کیا گیا ایک تو ڈاکٹر انوار احمد بغدادی پرنسپل جامعۃ البنات علیمیہ جمداشاہی اترا پردیش ہیں۔ دوسرے ہندستان کے عظیم اسکالر، الثقافۃ السنیہ کیرالا کے رئیس، آل انڈیا سنی جمعیۃ العلما کے جنرل سکریٹری، فضیلۃ الشیخ ابوبکر احمد ملیباری باقوی ہیں۔

کانفرنس کی کاروائی ڈاکٹر انوار احمد بغدادی کی زبانی سماعت فرمائیں۔

”اسٹیج پر شیخ الازہر امام اکبر شیخ احمد طیب صاحب، مصر کے سابق مفتی جمہوریہ حضرت علامہ علی جمعہ، صوفی باصفا علامہ عمر بن الحفیظ یمنی وغیرہ موجود تھے تلاوت کلام اللہ کے بعد افتتاحی خطاب جناب رمضان قدیروف کا ہونا تھا مگر کسی مصروفیت کی بنا پر وہ نہ آسکے اس لیے ان کی جگہ پر ان کے نائب نے خطاب کیا اس کے بعد روسی صدر کا خطاب ہوا پھر مائک پر امام اکبر شیخ طیب صاحب تھے آپ نے نہایت خوبصورت اور جامع تقریر فرمائی کہ دل باغ باغ ہو گیا اس کے بعد قوقاز کے ایک بڑے عالم دین کا خطاب ہوا پھر مفتی چیچنیا صلاح الدین مجیدوف نے خطاب کیا اس کے بعد روس کے مفتی عام راوی عین الدین کا بیان ہوا پھر اختتام پر شیخ علی جمعہ نے اپنا اختتامیہ پیش کیا اخیر میں دعا کے لیے عارف باللہ سیدی عمر بن الحفیظ کو یاد کیا گیا اخیر میں فاتحہ پر یہ مجلس برخواست ہوگئی۔“

”اسی دن دوسری مجلس تقریبا چھ بجے شروع ہوئی جس کا عنوان تھا مذاہب اربعہ ہی اہل سنت ہیں اس مجلس کی صدارت سرزمین ہند سے تشریف لے جانے والی ایک نہایت مشہور و معروف شخصیت علامہ شیخ ابوبکر احمد ملیباری نے کی۔ مقالہ شیخ انس شرقاوی نے پیش کیا ان کے مقالے کا عنوان تھا (المذاهب الاربعة هم اهل السنة والجماعة وهم السواد الاعظم فى الامة الاسلامية یعنی مذاہب اربعہ ہی اہل سنت وجماعت ہیں اور یہی امت اسلامیہ کے سواد اعظم ہیں)

جمعہ کو تیسری مجلس کا عنوان, مذہبیت کی اہمیت اور زمینی زندگی پر لا مذہبیت کی بدنظمی کا اثر اس اجلاس کی صدارت شیخ سعید بوطی نے کی یونہی کانفرنس تین دن تک جاری رہی بالکل اخیر میں شیخ الازہر نے کانفرنس کا اعلامیہ جاری کیا۔

اہل سنت و جماعت وہ لوگ ہیں جو عقیدتا اشعری اور ماتریدی ہیں اسی زمرے میں اہل حدیث جو متشابہات پر ایمان رکھتے ہیں اور اس کے ظاہری معنٰی پر اعتقاد نہیں رکھتے، چاروں مذاہب کے ماننے والے حنفی، مالکی، شافعی، اور حنبلی اور اہل تصوف سید الطائفہ امام جنید بغدادی اور ان کے جیسے دوسرے ائمہ ہدیٰ کے پیروکار ہیں الخ

مذکورہ حتمی اعلامیہ ہی کو تقریبا تمام ہی میڈیا والوں نے اخذ کیا ہے۔ جن کے الفاظ یہ ہیں۔

کانفرنس کے اختتامیہ پر شیخ الازہر شیخ احمد الطیب نے اہل سنت و جماعت کی یوں تعریف کی : اہل سنت و جماعت مذہب میں اعتقادی لحاظ سے اشعری اور ماتریدی ہیں (اسی ضمن میں اہل حدیث جو متشابہات پر ایمان رکھتے ہیں ظاہری معنی نہیں کرتے) فقہی لحاظ سے چار مذاہب حنفیہ، مالکیہ، شافعیہ اور حنبلیہ ہیں جب کہ علمی اخلاقی اور تزکیہ نفس کے لحاظ سے اہل تصوف مثلا امام جنید کے مذہب پر ہیں۔ اور تاکید کیا کہ وہابیت اور سلفیت امت مسلمہ میں بدنامی کا باعث بنی ہیں وہ اہل سنت و جماعت کے معنٰی و مفہوم میں تحریف کرنا چاہ رہی ہیں شدت پسند خوارج اس لفظ کو چرا

مفتی ومترجم اللغۃ: الثقافۃ یونیورسٹی کیرالا، muftiibrahimalimi786@gmail.com

کر اپنے تک محدود کرنا چاہ رہے ہیں جس کا بچاؤ انتہائی ضروری مسئلہ ہے۔

## شیخ ابو بکر احمد الباقوی کا خطاب

آپ نے اپنے خطاب نایاب میں ارشاد فرمایا:

اہل سنت وجماعت وہ افراد ہیں جو عقید تا اشعری اور ماتریدی ہیں اور مذہبا حنفی، مالکی، شافعی اور حنبلی ہیں یہی وہ افراد ہیں جنہوں نے ساری دنیا میں تبلیغ اسلام کا فریضہ سرانجام دیا ہے۔

فضیلۃ الشیخ نے اپنے بیان میں ارشاد فرمایا کہ سلفیت کی اہل سنت و جماعت کی تعریف میں کوئی گنجائش نہیں کیونکہ انتہا پسندی نہ رسول اللہ کی سنت میں ہے اور نہ اصحاب رسول اللہ کے طریق میں اور نہ ہی مابعد ائمہ مجتہدین اور علمائے تصوف میں۔ دہشت گردی کے پیش نظر اہل سنت کو پورے عالم اسلام میں بھاری نقصان اٹھانے پڑے ہیں۔

کیا عالم اسلام کے تمام سرکردہ علمائے اہل سنت اس کانفرنس میں حاضر تھے؟ جواب ظاہر ہے کہ سب سرکردہ علمائے اہل سنت اس کانفرنس میں حاضر نہیں تھے بلکہ اہل سنت کی بہت سی چھوٹی چھوٹی جماعتوں کے سرکردہ علمائے اسلام مدعو نہیں کیے جا سکے تھے۔ عذر ظاہر ہے۔ ان شاء اللہ اس طرز فکر کی کانفرنس اکثر ممالک میں منعقد کی جائیں گی جس میں ان سب کو مدعو کیا جائے گا جو اہل سنت وجماعت کی شاخ کے طور پر مسلّم ہیں۔

**سلفی رد عمل:**

(۱) نیوز ویب سافٹ عربی نمبر ۱۲ لکھتا ہے اہل سنت و جماعت کی تعریف صرف اشعری اور ماتریدی تک محدود کر دینے کا مطلب سلفی اہل حدیث طرز تفکر کے حامل افراد کو اہل سنت وجماعت سے خارج کر دینے کے مترادف ہے

(۲) سلفی مفتی سعد البریک نے کہا کہ یہ کانفرنس اہل سنت کے خلاف ایک سازش ہے ہمارے عقیدے اور ملک کے خلاف واضح دشمنی ہے

(۳) سلفی علما کے ایک وفد نے کہا کہ کانفرنس اسلامی فرقوں کے درمیان فتنہ وفساد اور مذہبی ٹکراؤ پیدا کرنے کے لیے منعقد کروائی گئی ہے

(۴) سعودی کے مفتی محمد السعیدی نے کہا کہ یہ کانفرنس سعودی عرب کے خلاف ایک سازش کے مترادف ہے

(۵) العرب نیٹ ورک کے مینیجر جمال قاشقجی نے لکھا کہ یہ کانفرنس تفرقے کا باعث بنے گی گویا حنبلی اور اشعری فتنہ دوبارہ برپا ہونے والا ہے۔

(۶) محمد آل شیخ نے لکھا کہ یہ کانفرنس مصر سے ہمارے تعلقات اور رَوَیّے میں تبدیلی کا باعث بنے گی۔

(۷) سعودی مفتی عبد العزیز نے کہا کہ ایرانی مسلمان نہیں وہ ہمارے بدترین دشمن ہیں۔ یہ دراصل چیچنیا کانفرنس کا ردعمل تھا مزید سید علی خامنائی نے سانحۂ منی کے ایک سال مکمل ہونے پر اس واقعہ کی تحقیقات اور اور سعودی حکمرانوں کی لاپرواہی پر تنقید کی تھی اور مطالبہ کیا تھا کہ مسلمان سعودیوں سے حج انتظامات واپس لے لے اس بیان کا جاری ہونا تھا کہ اب سعودی حکمرانوں کو تحقیقات سے آگاہ کرنے کی بجائے تکفیری عناصر نے کفر کے فتوؤں سے نوازنا شروع کر دیا۔

### سلفیوں کو شرکت کی کیوں دعوت نہیں دی گئی؟

اس کے جواب میں کچھ ماہرین نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ دراصل روسی حکام نے حالیہ برسوں میں اپنے ملک میں انتہا پسند گروہوں میں سلفی اور وہابی نظریات کا ثبوت پایا ہے سعودی عرب، قطر، اور یو اے ای نے روس میں دہشت گرد نظریات پھیلانے میں کافی سرمایہ ترویج اسلام کے نام پر صرف کیا ہے مدارس، مکاتیب، اور مراکز قائم کیے ہیں مبلغین ادھر ادھر بکھرے نظر آتے ہیں اس لیے تکفیری دہشت گروہوں کی بیخ کنی اور خود مسلمانوں میں بیداری لانے کے لیے یہ کانفرنس کروائی ہے۔

لیکن یہ خیال صحیح نہیں کیونکہ موجودہ صدی میں متفرق طور پر عالم اسلام کے متفرق گوشوں سے اس منحرف خارجی جماعت پر تحریر و تقریر میں تنقید کی جاتی رہی ہے اور ان کی تردید میں بے شمار کتابیں بھی لکھی جا چکی ہیں چیچنیا کی کانفرنس متفرق کوشش کی بجائے ایک مجتمع کوشش تھی۔ جو کسی بھی حال میں کسی سیاسی دباؤ کا ماحصل نہیں۔

### سلفی ازم کیا واقعی اہل سنت نہیں؟

چوتھی صدی میں امام احمد بن حنبل سے منسلک ایک عالم (ابو محمد حسن بن علی بن خلف بربھاری نامی اہل سنت کے اشعری علما کا چند مسائل میں مخالف ہو گیا جب کہ پورا عالم اسلام اشعری اور ماترید علما کا موافق تھا اور انہیں کو اہل سنت کہا جاتا تھا اس مخالف اہل سنت اور اشعریوں کے درمیان مسجد کے باہر پتھراؤ بھی ہوا جب خلیفہ نے صلح صفائی کے لیے طلب کیا تو مخالف اہل سنت کہتا کہ لوگ ہمیں کافر کہتے ہیں اور ہم کہتے ہیں کہ جو ہمارے عقیدے پر نہیں چلتے وہ کافر ہیں، یہ لڑائی عرب کی راجدھانی عراق میں ہی ہوئی تھی مسائل سننے کے بعد خلیفہ نے بربھاری کی سخت مخالفت کی۔ بربھاری کہتا کہ قرآن کو صرف ظاہری معنی ہی پر محمول کیا جائے باطنی معنی کچھ نہیں لیکن اصول توحید میں اشعریوں اور ماتریدیوں کی مخالفت کرتے ہوئے کہتا کہ کسی مخلوق کے ذریعہ اللہ کی بارگاہ میں توسل ناجائز ہے، رسول اللہ ﷺ کی قبر کی طرف منھ کر کے زیارت کرنا ناجائز ہے، اس کی طرف سفر کرنا ناجائز ہے، ان کی قبر

کے اطراف کی عزت کرنا یا کسی نبی وولی کی قبر کے پاس اللہ کو پکارنا یا اللہ کی بارگاہ میں ان کے وسیلہ سے دعا کرنا سب ناجائز ہیں ۔ وہ بغیر کسی تاویل کے اللہ کے لیے چہرہ، ہاتھ پاوں اور اللہ کو عرش پر بیٹھا ہوا اعتقاد کرتا تھا۔

مشہور مورخ ابن جریر طبری نے اپنی تاریخ طبری میں لکھا ہے کہ جب وہ ان کی مسجد بغداد میں داخل ہوا تو اس نے ان کے جلوس علیٰ العرش کے متعلق کہا کہ ہم نے بے شمار علما و محدثین سے ملاقات کی ہے سب ہی فرماتے ہیں کہ اللہ عرش پر نہیں بیٹھا ہے وہ ہاتھ جسم وغیرہ سے پاک ہے بلکہ اس سے اللہ کی قدرت مراد ہے بس کیا تھا سارے سلفی اس پر ٹوٹ پڑے اور سخت حملہ کر دیا اور اس کے ہمراہیوں پر پتھر پھینکنے لگے

اس وقت عالم اسلام میں سلفیوں کی تعداد ایک ہزار تھی۔ اس بدعتی فرقہ سلفیہ کا بانی ۳۲۹ھ میں مر گیا۔

جو مخالف اہل سنت تھا اس نے اپنا نام سلفی رکھ لیا پھر ساتویں صدی ہجری میں ابن تیمیہ اور ابن القیم نے دوبارہ ان فتنوں کو زندہ کیا اس وقت بھی ان کی تعداد دو ہزار افراد سے متجاوز نہیں تھی لیکن گیارہویں اور بارہویں صدی میں عبد الوہاب نجدی نے سلفیت کے مبادیات کو سیراب کیا اور بے شمار بدعات وخرافات کا خود ہی بانی بن بیٹھا پھر ابھی دو صدی کے اندر جب سے سعودی میں سلفی حکومت آئی ہے۔ اہل سنت علما سعودیہ عرب سے آہستہ آہستہ پس پردہ چلے گئے گرچہ آج بھی اہل سنت علما اور مساجد و مکاتب کی اکثریت ہے لیکن ان کو کوئی مراعات نہیں دی جاتی بلکہ مخالفین سلفیت کو سرکاری طور پر غائب کر دیا جاتا ہے ۔ جمہوریت کی بجائے بادشاہت اور ڈکٹیٹر شپ ہے جو دنیا پر مخفی نہیں۔

ماقبل سے واضح ہو جاتا ہے کہ سلفیت اہل سنت و جماعت سے خارج ایک (خارجی) جماعت ہے جو کسی بھی حال میں اہل سنت نہیں اس کے باوجود یوٹیوب پر کانفرنس کی مذمت کرتے ہوئے ایک سلفی عالم نائف العجمی نے کہا کہ اس دور میں اگر کوئی سنی ہے تو وہ اہل حدیث ہے

سوال یہ ہے کہ اگر واقعی اہل حدیث سنی ہے تو بھلا اپنا نام اہل حدیث سے سنی کیوں نہیں رکھ لیتا؟ اور ان کے علما اہل سنت و جماعت کے مخالف ہو کر علاحدگی کیوں اختیار کرتے ہیں؟ دوسری بات یہ ہے کہ اہل حدیث جو متشابہات پر ایمان رکھتے ہوں ظاہری معنیٰ کا اعتقاد نہ رکھتے ہوں ان کو مذکورہ کانفرنس میں ہی اہل سنت قرار دیا گیا ہے۔

پھر سلمان الاودھ نامی کوئی گمشدہ ٹپوری نے شوشل میڈیا ایپ سنیپ سے مدد طلب کرتے ہوئے کہا کہ وہابی علما کی مخالفت کی وجہ سے کانفرنس کے اعلامیہ میں اب اہل حدیث کو بھی سنی قرار دیا گیا ہے

یہ بات جھوٹ ہے میڈیا پر دھاندھلی ہے بلکہ اہل حدیث کانفرنس ہی میں شامل تھے نہ کہ وہابی مولویوں کی مخالفت کے بعد شامل کیا گیا۔ اہل سنت سے خارج تو وہ اہل حدیث ہیں جو متشابہات کے عین لفظی معنیٰ پر اعتقاد رکھتے ہیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہاتھ پاؤں اور عرش پر بیٹھا ہوا مانتے ہیں

مفتی منیب لکھتے ہیں:

(اہل الحدیث المفوضہ) شامل ہیں یعنی وہ اہل حدیث جو اعتقادی مسائل میں صفات الٰہی سے متعلق آیات متشابہات پر ایمان لاتے ہیں اور ان کے مرادی یا حقیقی معنیٰ کو اللہ تعالیٰ کے علم کی طرف تفویض کرتے ہیں یعنی وہ الفاظ کے ظاہری معنیٰ نہیں مراد لیتے ان آیات متشابہات میں اللہ کے لیے ید، وجہ، ساق، نفس، جلوس عرش، عین، جہت وغیرہ ہیں پس جن اہل حدیث نے ایسا کیا وہ بھی اہل سنت و جماعت میں داخل ہیں اور جس نے نہیں کیا وہ سلفی اہل حدیث ہیں جو کہ اہل سنت سے خارج ہیں۔ اس فکر کے حاملین کو علمائے اصولیین نے مجسمین کے نام سے یاد کیا ہے

۔

خشوگی نے کانفرنس کو سیاسی بتانے کی کوشش کی ہے جو ظاہر البطلان ہے کیونکہ اس میں سیاست کا نہ کہیں کوئی رنگ ہے اور نہ کوئی بات۔

ڈاکٹر انوار احمد بغدادی لکھتے ہیں کہ یہ کانفرنس کس قدر کامیاب تھی اس کا اندازہ آپ اس بات سے لگا سکتے ہیں کہ اس کانفرنس کے رد عمل میں پوری دنیائے وہابیت چیخ پڑی اس کے ایوان میں زلزلہ آگیا اور کچھ موقع پرست حضرات نے تو خوف و دہشت سے چولی ہی بدل ڈالی ۔ علمائے اہل سنت کی کوششوں کو سبوتاژ کرنے کے لیے پوری طاقت جھونک دے رہا ہے مگر اس سے زیادہ اس کی بات نہیں بن پا رہی ہے کہ یہ کانفرنس موجودہ حالات میں مسلمانوں کو بانٹ دے گی ۔ مگر مخالف یہ بھول رہا ہے کہ ایک امت مسلمہ کو بانٹنے کا کام کس نے کیا ہے؟ کس فکر نے آج مسلمانوں کو یہاں لا کھڑا کیا ہے۔ کس نے منگڑھنت نظریات سے مسلمانوں کی تکفیر کی ہے ؟ کون دن رات ہزاروں مسلمانوں کو ذبح کر رہا ہے ؟ کس نے اسلامی ملکوں میں دہشت گردی کا سیلاب لا کھڑا کیا؟ محترم قارئین !کانفرنس کی کامیابی کے پیچھے کون سے عناصر پنہاں ہیں کہ مخالف کو بات بنائے نہیں بن پا رہی ہے ملاحظہ کریں :

(۱) پوری دنیا سے نمائندگی تھی حتیٰ کہ سعودیہ عربیہ کی بھی۔

(۲) کانفرنس میں تنقید کا ہدف کسی ملک یا کسی شخص یا جماعت کو نہیں بنایا گیا بس صحیح فکر پوری دنیا میں پہونچا دینا اصل مقصد تھا

(۳) کانفرنس میں پیش کیے گئے مقالات میں جذباتیت کا عنصر

نہیں تھا بلکہ عقلانیت کا عنصر غالب تھا۔
(۴) کانفرنس میں پیش کیے گئے نظریات پر مباحثہ نہایت آزادانہ طور پر علمی اور ادب کے دائرے میں تھا۔
(۵) کسی کی دل آزاری اور رسوائی کا سامان مہیا نہیں کیا گیا بلکہ نہایت تعمیری طرز فکر کی باتیں کہیں گئیں
(۶) چند وہ باتیں ہیں جو کانفرنس کی اس قدر کامیابی کی ضمانت بنیں کہ مخالف کو لاکھ ہاتھ پیر مارنے کے باوجود کچھ معقول بات کہہ پانے سے معذور ہے۔
خود مفتی منیب صاحب برملا حق کا اظہار بایں الفاظ کرتے ہیں۔
سعودی عرب میں سلفی علما جو ایک وقت میں اس تصور جہاد کے حامی تھے اور وہاں سے اس گروہ کو چندہ، اور ہتھیار بھی دے رہے تھے اب وہ برملا اس سے برائت کا اعلان کر رہے ہیں اور خود ہی اپنے مجاہدین کو تکفیری طبقہ اور خارجی قرار دے رہے ہیں اب ایسے میں ضرورت اس امر کی شدت اختیار کرتی ہے کہ گروزنی کے اس عالمی کانفرنس کو اختلاف کی خلیج کو وسیع کرنے کے لیے استعمال نہ کیا جائے بلکہ سعودی عرب سمیت تمام علماے امت کو اس سے استفادہ کرتے ہوئے دین کے مسلمہ اور مشترکہ اصولوں پر اجماع کے قیام کے لیے استعمال کیا جائے۔ سعودی عرب جو ان کے خود ساختہ دینی نظریات کے فروغ کے لیے بے پناہ سرمایہ خرچ کر رہا تھا، اب وہ خود ان فسادیوں کے نشانے پر ہے۔ لہذا انہیں اب یہ مصارف دین اور امت کی وحدت کے لیے استعمال کرنے چاہئے اور امت میں تفریق کے اسباب کو دور کرنے کی کوشش کرنی چاہئے تاکہ حقیقی معنوں میں اتحاد امت کا خواب اپنی تعبیر پا سکے۔
فلسطینی مجلس علما کے ترجمان شیخ محمد صالح الموعد دوسری طرف فلسطینی مجلس علما کے ترجمان شیخ محمد صالح الموعد سلفی علما اور ان کے مقلدین کا کردار واضح کرتے ہوئے لکھتے ہیں :
اسرائیل و امریکہ شیعہ اور سنی دونوں کا مشترکہ دشمن ہیں بلکہ شیعہ اور سنی اسلام کے دو مستحکم بال و پر ہیں وہابی سلفی اسلام کی پیشانی پر بدنما داغ ہیں وہ امریکی اور اسرائیلی پالیسیوں کے تحت اسلام اور مسلمانوں کو بدنام کر رہے ہیں اسلامی ممالک میں دہشت گردانہ ساری کاروائیوں میں وہابی تکفیری جماعتیں اور ان کے نظریات ہی کارفرما ہیں جو کام امریکہ اور اسرائیل مسلمانوں کے خلاف نہیں کر سکتے وہ کام وہابیوں نے مسلمانوں کے خلاف کر دکھایا ہے۔
فلسطینی مجلس علما کے صدر نے نامہ نگاروں کو انٹرویو میں کہا کہ اسرائیل کا مقابلہ کرنے والے وہابی نہیں بلکہ سنی اور شیعہ ہیں وہابیوں نے امریکہ اور اسرائیل کے اشاروں پر اسلامی ممالک میں دہشت گردی پھیلا کر اسلامی ممالک کو کمزور تر کرنا چاہتا ہے اور سعودی عرب وہابی نظریات کے فروغ کا اصلی مرکز بن گیا ہے۔ اور سعودی شہری دہشت گردوں کے اعلی کمانڈر بن گئے ہیں۔ وہ اسرائل کی بجاے مسلمانوں کو ذبح کر رہے ہیں اور قبور کو اکھاڑ رہے ہیں۔
اسی ضمن میں فیس بک پر ذیشان احمد مصباحی کی ایک بے لاگ تحریر دیکھنے کو ملی انہوں نے برصغیر ہند کے اہل سنت کے مابین کچھ غیر مطابق تکفیری فتوی کی طرف کامیاب اشارہ کیا ہے وہ تحریر فرماتے ہیں کہ:
”ہاں یہ بات یہاں ضرور کہی جائے گی کہ دیوبندیت تقلید و تصوف اور اشعریت و ماتریدیت کے باوجود سنیت بلکہ دین سے خارج ہے کیونکہ اساطین دیوبند پر گستاخی رسالت اور انکار ضرورت دین کی پاداش میں حسام الحرمین میں کفر کا فتویٰ ہے لیکن اس کے باوجود یہ تشریح اپنی جگہ مطلوب ہے کہ دیوبند کے چار اساطین کی تکفیر کا انطباق عصر حاضر میں کن کن پر ہوتا ہے ؟ یہ مرحلہ اگر فخر ازہر کہے جانے والے مفتی اختر رضا خان ازہری اور دیگر بریلوی علما کے اتفاق سے طے ہو جاتا ہے تو اس کے بعد ان کو چاہئے کہ اس پر شیوخ ازہر کی تصدیات بھی حاصل کریں الخ۔“
مذکورہ تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ کچھ علما غیر کافر کو کافر قرار دے رہے ہیں جو کہ جرم عظیم ہے۔ رہ گئی بات وہابیت کی تو عالم اسلام کے تقریبا تمام ہی اہل سنت حنفی، مالکی، شافعی، اور حنبلی علما کا قدیم زمانے سے اتفاق رہا ہے کہ یہ کافر نہیں بلکہ بدترین بدعتی ہیں۔ گرچہ کچھ صورتوں میں چند علما نے ابن تیمیہ، ابن وہاب کی تکفیر بھی کی ہو لیکن اس کا انطباق انہیں سلفیہ پر ہو گا جو ان مسائل کو اسی کفری زاویے نظر سے اعتقاد بھی رکھتے ہوں تاہم محققین علماے اہل سنت مثلا امام جلال الدین سیوطی وغیرہ تکفیر نہیں کرتے۔ یہی فتویٰ موجودہ علماے ازہر، فلسطین، عراق، وشام، ترکی، یمن اور جامعہ مرکز الثقافۃ السنیۃ الاسلامیہ کیرالا وغیرہ کا ہے۔ اور رہ گئی بات حسام الحرمین کی تو اس میں صرف چار افراد پر کفر کا فتویٰ ہے اگر ان چاروں کی کفریات پر کوئی دوسرا بھی کاربند ہے تو اسی رو سے وہ بھی کافر ٹھہرے گا۔ ورنہ نہیں۔
ذی شان احمد مصباحی کا مقالہ چند ناقص علما کے اغلاط کی نشاندہی کرتا ہے ان کو چاہیے کہ اپنی اصلاح کریں اور عالم اسلام کے اہل سنت وجماعت کے ساتھ شانہ بہ شانہ چلیں ۔ رب قدیر ہم سب کو فکری بدعات سے محفوظ فرمائے (آمین) ☆☆☆☆

## کائنات کے سب سے عظیم انقلاب ”آمدِ سرکار ﷺ“ کے لیے

# صدیوں کا سفر شوق

غلام مصطفیٰ رضوی

**شاہ یمن** ملک تبع حمیری نے ارض مقدس حجاز کی طرف لشکر کشی کی۔ حجاز کی شام گل فام ابھی آخری پیغمبر کے دیدار سے محروم تھی۔ شاہ یمن نے ملک گیری کی ہوس میں خانہ کعبہ کا محاصرہ کیا۔ اسے فتح کی امید تھی لیکن شان قدرت کہ وہ اپنے عزم میں نامراد رہا اور فتح کا منتظر، اہل دانش نے اسے سمجھایا کہ یہ خانۂ خدا ہے باز آ۔ آخر وہ تائب ہو کر سوئے طیبہ (قدیم نام یثرب) چل دیا۔ ساتھ اس کا لشکر جرار تھا۔ فصیلِ شہر کے قریب اس نے ڈیرہ ڈالا۔ آس و امید لگائے تاک میں رہا، لیکن تمام تدبیریں ناکام ہوئیں، وہ الجھنوں میں پریشاں تھا کہ مہینوں بیت گئے، نہ رسد کا انتظام نہ فتح کا پیغام۔ اس نے سوچا کہ کیا کیا جائے۔ حیرت و استعجاب میں غرق تھا کہ اس کی نگاہ کھجور کی گٹھلیوں کے ڈھیر پر پڑی، اس کے دریافت پر اہل لشکر نے کہا کہ روزانہ مدینہ کی فصیل سے کھجوروں کے تھیلے ہماری جانب اُچھال دیے جاتے ہیں، انھیں اہلِ لشکر کھا لیتے ہیں۔ شاہ یمن متحیر ہوا۔ اسے اہل مدینہ کے اعلیٰ اخلاق نے متاثر کیا کہ یہ لوگ حالت جنگ میں بھی دشمنوں سے ایسی مروت کر رہے ہیں۔ اس نے اپنے مصاحبین کو اکابر طیبہ سے رابطے کا حکم دیا۔ جب یہ بات علما و احبارِ مدینہ تک پہنچی تو انھوں نے کہا:

”ہم دور دراز سے یہاں آکر آباد ہوئے۔ کسی کا تعلق خیبر و شام سے ہے، کسی کا مصر سے، لیکن ہم یہودی ہیں۔ ہم نے تورات و زبور جیسی الہامی کتابوں میں یہ پڑھا کہ یہاں (مدینہ میں) نبی آخرالزماں (ﷺ) آنے والے ہیں اور ہم یہاں رہ کر انھیں کا انتظار کر رہے ہیں۔ ہماری کتب سماوی کے مطابق پیغمبر شفیق و انیس، حلیم و کریم اور مہمان نواز ہوں گے اس لیے ہم بھی خود کو ان جیسی صفات سے متصف کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔“

تبع حمیری ان باتوں سے متاثر ہوا کہ پیغمبر آخرالزماں ابھی تشریف نہیں لائے لیکن ان کے اوصاف پر ان لوگوں نے عمل شروع کر دیا۔ ضبط کا بندھن ٹوٹ گیا، وہ رونے لگا، دل کی دنیا میں انقلاب آیا، عالم شوق میں کہنے لگا: ”کاش وہ اس نبی کریم کے دور مسعود میں ہوتا، ان پر ایمان لاتا اور سرخ رُو ہوتا، اور جب وہ اپنی قوم کے مظالم سے تنگ آکر یہاں تشریف لاتے تو ان کا خدمت گزار ہوتا۔“

اس کا شوق دیدار بڑھ گیا۔ اس نے اہلِ مدینہ سے شہر کے دیدار کی اجازت طَلب کی، جو نبی آخرالزماں کی جائے ہجرت بننے والی تھی۔ اذن ملا، بادشاہ طیبہ کی گلیوں میں داخل ہوا، وہ اب فاتح نہیں مفتوح تھا، اس کے دل کی دنیا اَن دیکھے محبوب کی یاد سے بس چکی تھی۔ مؤرخین بتاتے ہیں کہ اس کے ساتھ اس کے لشکری بھی حضور اقدس ﷺ کی یادوں میں غرق تھے اور یہ جلوس دیوانہ وار طیبہ کی گلیوں میں بڑھتا جا رہا تھا۔ یوں معلوم ہوتا تھا کہ تاریخ انسانی کا یہ پہلا جلوس میلاد تھا جو رحمت عالم ﷺ کی آمد آمد سے ایک ہزار سال پہلے منعقد ہوا تھا، دارالہجرت میں شاہ یمن دست بستہ سر جھکائے چل رہا تھا، عمائدین سلطنت بھی مؤدب تھے،

تبع حمیری نے پورے شہر کو صاف کرایا، عالی شان عمارتیں بنوائیں، اس کی تمنائے دلی ہوئی کہ وہ بھی علمائے یہود کے ساتھ آخری پیغمبر (ﷺ) کی آمد کا انتظار کرے، امورِ سلطنت نے اس کی یہ آس پوری نہ ہونے دی، بغاوتِ یمن کے سبب دل گرفتہ اسے لوٹ جانا پڑا۔ عالم حسرت میں اس نے ایک خط لکھ کر مہر کے ساتھ صندوق میں بند کیا اور اس کی چابی شامول نامی یہودی عالم کے سپرد کی۔ اسے تاکید کی: تمھیں آخری پیغمبر (ﷺ) کا زمانہ نصیب ہو تو انھیں یہ خط دے دینا، نہیں تو نسلاً بعد نسلٍ اسے منتقل کرتے رہنا تاآں کہ وہ مبارک وجود جلوہ گر ہو جائے۔

کتب سیر و تاریخ میں درج ہے کہ یہ خط شامول کی اکیسویں پست میں ”حضرت ابوایوب انصاری“ تک پہنچا۔ صبح امید نمودار ہوئی، خاک دانِ گیتی اس مبارک وجود سے منور ہوئی جو تمام مخلوق کے نبی ہیں، جنھیں پیکر بشریت میں نورانیت کے ساتھ جلوہ آرا کیا گیا، جنھیں

علم و حکمت سے مشیت نے خود سنوارا، جنھیں غیب کے خزانوں کی کنجیاں عطا کی گئیں، دست قدرت نے انھیں ایسا کامل بنایا کہ شرک کے ایوان میں زلزلہ آگیا، فضل و کمال کا وہ پیکر جب فاراں کی چوٹی سے طلوع ہوا۔ اور پھر اعلان نبوت فرمایا تو تیرہ دلوں نے انھیں اپنے جیسا بشر جان کر شرک کو گلے لگائے رکھا اور آمادۂ ظلم ہوئے، اور ایک دن وہ آیا کہ وہ عظیم پیغمبر اپنے دارالہجرت (مدینہ منورہ) کی طرف روانہ ہوا۔

اللہ اللہ! صبحِ بہاراں نمودار ہوگئی، عالم وارفتگی میں عرب کے چاند کے طلوع کی خبریں طیبہ کے ہر کوچے میں پھیل گئیں، فضاے بسیط میں نغمگی پھیل گئی طلع البدر علینا من ثنیۃ الوداع "وداع کی گھاٹیوں سے چاند طلوع ہوگیا ہے"...ع

دل و جاں وجد کناں جھک گئے بہرِ تعظیم

رحمت عالم ﷺ کی اونٹنی حضرت ابوایوب انصاری کے گھر کے پاس بیٹھ گئی، اللہ اللہ! میزبانی کی سعادت کسے ملنے لگی، وہ جسے نسلاً بعد نسلٍ محبوب کا انتظار تھا، فراق کی آگ کب سے سلگ رہی تھی، اس مبارک عشق کی معراج ہونے والی تھی، عظیم مہمان نے حضرت ابوایوب انصاری کی میزبانی قبول کی، حضرت ابوایوب تبع حمیری کے خط کے امین تھے، اور وہ (اہلِ مدینہ) تو صدیوں سے نبی آخرالزماں کی آمد آمد کے منتظر تھے، یہ انصاری معمولی نہ تھے، یہ تو معین و مددگار بننے والے تھے، محبوب کے انتظار میں ان عشاق نے ہزار سال سے زاید کا عرصہ گزارا تھا، ان کے حوصلے پہاڑ سے زیادہ مضبوط تھے، جنھیں صدیاں کم زور نہ کر سکیں۔

ایک روایت کے مطابق بعثت نبوی کے بعد حضرت ابوایوب انصاری نے شاہ یمن تبع حمیری کا وہ خط ایک معتبر شخص کے ذریعہ آقاے دوجہاں ﷺ کی خدمت اقدس میں روانہ کر دیا تھا، شاہ یمن نے جو خط آقاے کونین ﷺ کے نام لکھا اس کا متن کچھ یوں تھا:

"یہ خط تبع بن وردع کی طرف سے حضرت محمد مصطفی (ﷺ) کی جانب ہے، جو حضرت عبداللہ کے بیٹے خاتم النبیین اور رسول رب العالمین ہیں، امابعد! اے محمد (ﷺ) میں آپ پر اور آپ کی کتاب پر ایمان لایا جو اللہ نے آپ پر نازل کی، آپ کے دین پر اور آپ کی سنت پر بھی ایمان لایا، آپ کے رب پر ایمان لایا جو تمام جہانوں اور تمام چیزوں کا رب اور مالک ہے۔ میں ایمان لایا آپ کے رب کی طرف سے ایمان اور اسلام کی جو فضیلتیں نازل ہوئیں، میں نے انھیں قبول کیا، اگر میں نے آپ کو پایا تو میں نے نعمت حاصل کر لی، اور اگر نہ پا سکا تو آپ میرے لیے قیامت کے دن شفاعت فرما دیجیے گا، اس لیے کہ میں آپ کی "اولین امت" میں سے ہوں۔ للہ اس دن مجھے فراموش نہ کیجیے گا، میں نے آپ کی اتباع آپ کی تشریف آوری اور آپ کی بعثت سے پہلے کی ہے۔ میں آپ کی ملت اور آپ کے باپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ملت پر قائم ہوں۔"

یہ تاریخی خط ملاحظہ کے بعد آقاے دوجہاں ﷺ نے زبان مبارک سے فرمایا: مرحبا یا اخی الصالح "اے صالح بھائی! مرحبا"... تبع حمیری مراد کو پہنچا۔ صالح کے مبارک الفاظ زبان فیض ترجمان سے کیا ادا ہوئے کہ شاہ یمن تبع حمیری کی عقبیٰ سنور گئی۔ کیسے عظیم تھے وہ جنھوں نے دس صدیوں تک اپنے محبوب کا انتظار کیا۔ سعادتوں کا سفر بھی کیسا بار آور ثابت ہوا۔ یثرب کی زمیں اس وجود مسعود سے "طیبہ" بنی اور نوری وجود سے "مدینہ منورہ" کہلائی۔ عظمتوں کی داستانِ شوق آج بھی تازہ ہے، صدیاں گزر گئیں لیکن محبتوں کی بزم آج بھی ایسے ایمان افروز عشاق کی سعادتوں کے پاکیزہ انفاس سے مشک بار ہے۔ مدینہ امینہ سے نسبت و تعلق نے فراق کے لمحات گزارنے والوں کو نبی آخرالزماں کے مبارک قدموں سے فیض یاب ہونے کا لمحۂ وصل بھی عطا کیا، ان انصار کی عظمتوں کو سلام جنھوں نے محبوب رب العالمین کی آمد کا چرچا کیا، اور دنیا میں آمد کے لیے وہ دس صدی پہلے سے ہی منتظر تھے۔ صبح و مساوہ سہانی گھڑی کے منتظر تھے کہ کب ماہِ عرب کعبے میں چمکے گا اور شرک کے غبار چھٹیں گے، ایمان کی صبح درخشاں نمودار ہوگی۔ سچ کہا امام شرف الدین بوصیری (م۶۹۴ھ) نے:

حَتّٰی اِذَا طَلَعَتْ فِیْ الْاُفُقِ عَمَّ هُدَا
هَا الْعَالَمِیْنَ وَاَحْیَتْ سَائِرَ الْاُمَمِ

یہاں تک کہ جن افق کائنات پر وہ آفتاب طلوع ہوا تو اس کی ہدایت سارے جہانوں میں پھیل گئی اور اس نے بہت ساری قوموں کو ہدایت عطا کر دی۔ اور شاہ احمد رضا محدث بریلوی (م۱۹۲۱ء) نے بہت خوب کہا:

ترے دینِ پاک کی وہ ضیا کہ چمک اٹھی رہِ اصطفا
جو نہ مانے آپ سقر گیا کہیں نور ہے کہیں نار ہے

☆☆☆

# اطاعتِ والدین قرآن وحدیث کی روشنی میں

مبین احمد جامعی

**عہدِ حاضر** میں شکریہ کا عام رواج ہے۔ ہمارے حالات بڑے ناگفتہ بہ ہوں اور کوئی شخص ہمدردی کے دو بول، بول دے یا پھر زندگی کے کسی موڑ پہ اگر کوئی ہمارے لیے اپنا دست تعاون دراز کرے اور ہماری تھوڑی سی بھی مدد کر دے تو فطری طور پہ ہم اس کا شکریہ ادا کرتے ہیں، اسے قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔

ہمارے دل میں یہ جذبہ پیدا ہوتا ہے اور ہم یہ کوشش کرتے ہیں کہ اپنے احسان کرنے والے معین ومددگار کے لیے اس کی تعظیم وتکریم سے بڑھ کر کچھ ایسا کریں کہ ہمارا یہ عمل اس کے حق میں اس کے احسان کا نعم البدل ہو سکے۔

یہ انسانی فطرت ہے اور اسلام، دینِ فطرت ہے۔ قرآن عظیم کا ارشاد ہے:

''ھَلْ جَزَاءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَان'' (الرحمٰن:۶۰)

ترجمہ: نیکی کا بدلہ کیا ہے مگر نیکی (کنزالایمان)

حدیث شریف میں ہے:

''مَنْ لَمْ يَشْكُرِ النَّاسَ لَمْ يَشْكُرِ الله''

(صحيح بخاری شريف :كتاب الآداب)

ترجمہ: جس نے لوگوں کا شکریہ ادا نہیں کیا، اس نے اللہ کا شکریہ ادا نہیں کیا۔

آج کے حالات ایسے ہیں کہ اپنے دوستوں، یا جس شخص سے گھڑی بھر کی رفاقت رہی ہو اور اس نے کوئی احسان کیا ہے، ہم تو اسے شکر گزاری کے جذبے سے یاد کرتے ہیں وقتاً فوقتاً اس کی تعریف کرتے رہتے ہیں۔ مگر ہم کیوں اپنے ان ماں باپ کو بوجھ سمجھتے ہیں، باعثِ زحمت جانتے ہیں اور انھیں بھلا دینا چاہتے ہیں؟ جنھوں نے ہمارا سارا بوجھ اٹھایا، ہماری زندگی کے لیے کیا کیا جتن نہ کیے، ہمارے لیے، ہماری زندگی کے لیے خود کو طرح طرح کی پریشانیوں میں ڈالتے رہے اور جن کا سراپا، ہمارے حق میں احسانات وانعامات سے عبارت ہے۔

یاد رہے، یہ آثارِ قیامت سے ہے کہ لوگ اپنے دوستوں کے ساتھ زیادہ وقت گزاریں گے مگر اپنے ماں باپ کو زیادہ وقت نہیں دیں گے۔ کیا ہم آثارِ قیامت کا حصہ بن رہے ہیں؟

**قرآن عظیم اور اطاعتِ والدین:**

قرآن مجید میں متعدّد مقامات پہ والدین کے ساتھ حسن سلوک کرنے کا حکم دیا گیا۔ چنانچہ سورۂ بنی اسرائیل میں ارشاد فرمایا گیا:

وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَاناً۔

(بنی اسرائیل: ۲۳)

ترجمہ: اور تمھارے رب نے حکم فرمایا کہ اس کے سوا کسی کو نہ پوجو اور ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔ (کنزالایمان)

مندرجہ بالا آیۂ کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے پہلے اپنی عبادت کا حکم دیا۔ اس کے بعد ماں باپ کے ساتھ نیکی کرنے کا حکم دیا۔ اللہ تعالیٰ کی عبادت اور ماں، باپ کے ساتھ نیک سلوک کرنے کے حکم میں حضرت مولانا غلام رسول سعیدی علیہ الرحمہ نے چند حکمتیں بیان کی ہیں۔ جن میں سے دو یہاں نقل کیا جاتا ہے۔

''(۱) انسان کے وجود کا حقیقی سبب، اللہ تعالیٰ کی تخلیق اور اس کی ایجاد ہے اور اس کا ظاہری سبب اس کے ماں باپ ہیں، اس لیے اللہ تعالیٰ نے پہلے سبب حقیقی کی تعظیم کا حکم دیا اور اس کے متّصل بعد سبب ظاہری کی تعظیم کا حکم دیا۔

(۳) منعم کا شکر کرنا واجب ہے، منعم حقیقی اللہ تعالیٰ ہے سو اس کی عبادت کرنے کا حکم دیا، اور مخلوق میں سے اگر کوئی اس کے لیے منعم ہے تو وہ اس کے ماں باپ ہیں سو ان کا شکر کرنا بھی واجب ہے، کیوں کہ حدیث میں ہے:

حضرت ابو سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے لوگوں کا شکر ادا نہیں کیا اس نے اللہ کا شکر ادا نہیں کیا۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث:۱۹۵۵، مسند احمد ج۲، ص۲۵۸، المعجم الکبیر رقم الحدیث :۲۵۰۱، شرح السنہ ج ۷، ص۲۶۱، مسند ابو یعلیٰ: رقم الحدیث ۱۱۲۲، المعجم الاوسط رقم الحدیث:۳۶۰۶، کنزالعمال رقم الحدیث : ۶۴۴۳)

اور مخلوق میں جتنی نعمتیں اور احسانات ماں باپ کے اولاد پر ہیں، اتنی نعمتیں اور احسانات اور کسی کے نہیں، کیوں کی بچہ ماں باپ کے

جسم کا ایک حصہ ہوتا ہے۔ حضرت مِسوَرْ ابن مخرمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

فَاطِمَةُ بِضْعَةٌ مِّنِّیْ (صحیح البخاری، رقم الحدیث: ۳۷۱۴، سنن ابو داؤد، رقم الحدیث: ۲۰۷۱، سنن ترمذی، رقم الحدیث: ۳۸۶۷)

فاطمہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) میرے جسم کا ایک ٹکڑا ہے۔

ماں باپ کی بچہ پر بہت زیادہ شفقت ہوتی ہے، بچہ کو ضرر سے دور رکھنا اور اس کی طرف خیر کو پہنچانا ان کا فطری اور طبعی وصف ہے۔ وہ خود تکلیف اٹھالیتے ہیں، بچہ کو تکلیف نہیں پہنچنے دیتے اور ان کو جو خیر بھی حاصل ہو، وہ چاہتے ہیں کہ یہ خیر ان کے بچے کو بھی پہنچ جائے۔ جس وقت انسان انتہائی کمزور اور انتہائی عاجز ہوتا ہے اور وہ سانس لینے کے سوا کچھ نہیں کر سکتا وہ اپنے چہرے سے مکھی بھی نہیں اڑا سکتا، اُس وقت اس کے تمام ضروریات کے کفیل اس کے ماں باپ ہوتے ہیں۔

پس واضح ہو گیا کہ انسان پر جتنی نعمتیں اور جتنے احسانات اس کے ماں باپ کے ہیں اتنی نعمتیں اور اتنے احسانات اور کسی کے نہیں ہیں۔ اس سے معلوم ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے شکر کے بعد انسان پر اگر کسی کی نعمتوں اور احسانات کے شکر کا حق ہے تو وہ اس کے ماں باپ کا ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے اپنی عبادت کا حکم دینے کے بعد ماں باپ کے ساتھ نیکی کا حکم دیا۔

اللہ تعالیٰ انسان کا حقیقی مربی ہے اور ظاہری طور پر اس کے ماں باپ اس کے مربی ہیں، جس طرح اللہ تعالیٰ انسان کی برائیوں کے باوجود اس سے اپنی نعمتوں کا سلسلہ منقطع نہیں کرتا اسی طرح اس کے ماں باپ بھی اس کی غلط کاریوں اور نالائقیوں کے باوجود اس پر اپنے احسانات کو کم نہیں کرتے، جس طرح اللہ تعالیٰ اپنے انعامات کا کوئی عوض طلب نہیں کرتا، اسی طرح ماں باپ بھی اولاد پر اپنے احسانات کا کوئی عوض طلب نہیں کرتے، اور جس طرح اللہ تعالیٰ بندوں پر احسان کرنے سے نہیں اکتاتا، اسی طرح ماں باپ بھی اولاد پر احسان کرنے سے نہیں اکتاتے اور جس طرح اللہ تعالیٰ بندوں کو غلط راستوں میں بھٹکنے اور برائیوں سے بچانے کے لیے انھیں سرزنش کرتا ہے اسی طرح ماں باپ بھی اولاد کو بری راہوں سے بچانے کے لیے سرزنش کرتے ہیں۔ ان وجوہ کی بنا پر اللہ تعالیٰ نے اپنی عبادت کا حکم دینے کے بعد ماں باپ کے ساتھ احسان کرنے کا حکم دیا۔"

(تبیان القرآن، جلد: ۶، صفحہ: ۶۸۶، مولف: علامہ غلام رسول سعیدی، ناشر: فرید بک سٹال (رجسٹرڈ)، اردو بازار لاہور، سن طبع: ۲۰۰۹ء)

اِمَّا یَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَاۤ اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَاۤ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِیْمًا (بنی اسرائیل: ۲۳)

ترجمہ: اگر تیرے سامنے ان میں ایک یا دونوں، بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو ان سے ہوں (اُف تک) نہ کہنا اور انھیں نہ جھڑکنا اور ان سے تعظیم کی بات کہنا۔ (کنزالایمان)

بڑھاپے کا رنگ جب گہرا ہونے لگے اور عمر میں دنوں کی تنگی نظر آنے لگے، نقاہت و کمزوری، جوان ہونے لگے تو بے بسی اور بے چارگی، صاف جھلکنے لگتی ہے۔ امید کا وہ چراغ جسے انھوں نے خود، روشن کیا ہے، اب اس کی سخت ضرورت ہوتی ہے۔

اکثر و بیشتر والدین، عہدِ جوانی سے گزر کر بڑھاپے میں داخل ہوتے ہیں تو وہی اولاد جسے وہ بچپن میں کھلاتے پلاتے رہے، اپنے خون پسینے کی کمائی جس کی نذر کرتے رہے، جس کے لیے اپنا سکھ، چین قربان کیا، جس کی ذرا بھر تکلیف انھیں گوارا نہ تھی، خود بھوکا رہ کر اپنے منھ سے لقمہ نکال نکال کر جس کے منہ میں ڈالتے رہے، وہی اولاد جب جوان ہوتی ہے تو اپنے والدین کو مجبور و بے بس پاتی ہے، تو اپنے ماں باپ کو مجبور پاتی ہے اور اسے وہ زمانہ یاد نہیں رہتا کہ یہی والدین تھے کہ جب میں بیمار ہوتا تھا تو وہ آنکھوں آنکھوں میں ساری رات گزار دیا کرتے تھے۔ یہ سب اسے کچھ بھی یاد نہیں رہتا۔

یہ اولاد کے لیے بڑی آزمائش کے دن ہوتے ہیں۔ اس لیے کہ ضعیف العمر ہونے کے سبب، ان کا مزاج، بچپن کی طرح ہو جاتا ہے اور ہوش و حواس بھی برابر نہیں رہتے، ان کی ضرورتیں پوری ہو رہی ہوں مگر پھر بھی وہ دوسرے لوگوں سے شکایت کرتے رہتے ہیں اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ وہ اتنے کمزور ہو جاتے ہیں کہ وہ خود سے رفع حاجت بھی نہیں کر پاتے، ایسے عالم میں خود پہ ضبط رکھنا، نہایت مشکل ہو جاتا ہے۔ اسی لیے قرآن عظیم میں یہ حکم فرمایا گیا کہ جب ماں باپ بوڑھے ہو جائیں تو انھیں ذرا بھی تکلیف نہ پہنچنے دینا۔ چنانچہ ارشاد ربانی ہے:

وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ۔ (بنی اسرائیل: ۲۳)

ترجمہ: اور ان کے لیے عاجزی کا بازو بچھا، نرم دلی سے۔ (کنزالایمان)

قرآن عظیم کا انداز بیاں بتاتا ہے کہ انسان کو ماں باپ کے ساتھ کتنی رحم دلی سے حسنِ سلوک کرنا چاہیے۔ تن، من، دھن ہر طرح سے ان کی کر کے کبھی دل پہ اکتاہٹ، تھکاوٹ اور غفلت کو حاوی نہیں

دینا چاہیے۔ بلکہ " مِنَ الرَّحْمَةِ" نہایت رحم دلی سے ساری عمر ایک جیسا سلوک کرنا۔ ہر وقت اسی فکر میں لگے رہنا چاہیے کہ کسی طرح ہمارے ماں باپ ہم سے ہر طرح، ہر وقت راضی، رہیں۔

حکیم الامت، مفتی احمد یار خاں نعیمی بدایونی ثم گجراتی (صوبۂ پنجاب پاکستان) علیہ الرحمہ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔

"باری تعالیٰ نے یہاں بیٹے کی خدمت گزاری کے لیے "جَنَاحَ الذُّل" تین وجہ سے فرمایا:

ایک یہ کہ 'جناح' عربی محاورے میں اور لغت میں پرندے کے ان پروں کو کہتے ہیں جن سے وہ اڑتا ہے۔ جب وہ اڑتا ہے تو ان کو کھول لیتا ہے۔ ان میں ہر طرح کی ہوائیں اور فضائیں بھر جاتی ہیں اور وہ بہت مضبوط ہو جاتے ہیں۔ سارے جسم کی طاقت ان بازوؤں اور پروں میں ہوتی ہے۔ ان کے ذریعہ وہ ہزار ہا بلندی پر پہنچ جاتا ہے جب وہ پرندہ نیچے زمین وغیرہ پر بیٹھتا ہے۔ تو اپنے انھیں بازوئوں کو سکیڑ کر عاجز مسکین بن جاتا ہے۔ اشارہ کیا جارہا ہے: اے انسان! تو اپنی عقل، فکر اور عزت کے ذریعہ کتنی اونچی پرواز کر جائے، بادشاہ، وزیر، رئیس بن جائے مگر والدین کے لیے ایسی عاجزی کر کہ سرداری کی ٹوپی، بادشاہی کا تاج ان کے قدموں میں رکھ دے۔

دوم: یہ کہ پرندہ، جب اپنے انڈوں، بچوں کی حفاظت کرتا ہے تو ان پر اپنا پر پھیلا دیتا ہے، اپنی جان کی پرواہ نہیں کرتا۔

تو اے انسان! تو بھی اپنے والدین کے لیے ایسا ہی ہو جن کو تیری حفاظت کی ضرورت ہے۔

سوم: یہ کہ جس طرح پرندہ اپنے تمام کام پروں کی قوت سے انجام دیتا ہے۔ اسی طرح انسان اپنے بازوؤں سے ہی سب کچھ کماتا ہے، تو جس کی طرف بازو بچھا دیئے گویا سب کچھ اسی کو دے دیا۔ تو اشارۃً بتایا گیا کہ تو اے فرزند! سب کچھ اپنے والدین کا سمجھ"

(تفسیر نعیمی، جلد:۱۵، صفحہ:۱۱۳، ناشر: رضوی کتاب گھر دہلی۔ زیر اہتمام رضا اکیڈمی بمبئی، سال اشاعت:۲۰۱۲ء)

ارشاد ربانی ہے:

وَقُل رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيَانِي صَغِيرًا۔ (بنی اسرائیل : ۲۴)

ترجمہ: اور عرض کر کہ اے میرے رب! تو ان دونوں پر رحم کر جیسا کہ ان دونوں نے مجھے چھٹپن (بچپن) میں پالا۔ (کنزالایمان)

رب العلمین کی طرف سے یہ دعا کا طریقہ اور سلیقہ سکھایا گیا ہے کہ: اے انسان! جب ماں باپ، بوڑھاپے کی حالت کو پہونچ جائیں تو ان کے حق میں اپنے رب سے یہ دعا مانگا کر کہ:

اے پروردگار! ان پر اسی طرح، رحم فرما جس طرح، انھوں نے مجھے اُس وقت محبت و شفقت کی آغوش میں پالا تھا۔ جب میں اتنا چھوٹا تھا کہ مجھے اپنے نفع و نقصان کا کوئی شعور نہ تھا۔ میں ہر وقت ان کی توجہ اور شفقت و رحمت کا محتاج تھا۔

**حدیثِ رسول ﷺ اور اطاعتِ والدین :**

عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ أَبِي بكرة عَنْ أَبِيْهِ قال: قال النَّبِيُّ ﷺ : أَلَا أُنَبِّئُكُمْ بِاَكْبَرِ الْكَبَائِرِ ثَلَاثاً. قالوا بلى يا رسول الله قال: اَلْإِشْرَاكُ بِاالله وَ عُقُوْقُ الْوَالِدَيْنِ وَ جَلَسَ وَ كَانَ مُتَّكِئاً فقال أَلَا وَ قَوْلُ الزُّوْرِ. قال فَمَا زَالَ يُكَرِّرُهَا حَتّٰى قُلْنَالَيْتَه سَكَتَ. (بخاری شریف، جلد:۱، صفحه ۳۶۲، كتاب الشهادات، باب: قيل فی شهادة الزور ناشر مجلس بركات، مباركپور، اعظم گڑھ)

ترجمہ: عبد الرحمن بن ابی بکرہ اپنے والد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں، انہوں نے بیان کیا کہ:

"اللہ کے رسول ﷺ نے تین بار فرمایا: کیا میں تمھیں سب سے بڑا گناہ نہ بتاؤں؟ لوگوں نے جواب دیا کیوں نہیں یا رسول اللہ! اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

اللہ کے ساتھ کسی کو شریک بنانا، ماں باپ کی نافرمانی کرنا اور اللہ کے رسول ﷺ تکیہ لگائے بیٹھے ہوئے تھے فرمایا کہ سن لو! جھوٹ بولنا اور اللہ کے رسول بار بار اسے دہراتے رہے یہاں تک کہ ہم نے سوچا کاش اللہ کے رسول ﷺ خاموش ہو جاتے۔

کوئی اہم بات ہوتی تو اللہ کے رسول ﷺ تین تین بار اس طرح کہ کر جب سب کی توجہ اپنی طرف کر لیا کرتے تب ارشاد فرماتے جیسا کہ مذکورہ بالا حدیث میں ہے کہ شرک کے بعد سب سے بڑا گناہ ماں باپ کی نافرمانی کرنا ہے۔ چہ جائے کہ ان سے بدتمیزی، بد زبانی اور بدسلوکی کی جائے۔

عَنْ عَبْدالله بْنِ عَمْرٍو عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: رِضَا الرَّبِّ فِيْ رِضَا الْوَالِدَيْنِ، سَخْطُ الرَّبِّ فِيْ سَخْطِ الْوَالِدَيْنِ. (ترمذی، صفحه:۱۲، جلد:۲ كتاب البر والصلة، باب ما جاء من الفضل فی رضا الوالدين)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ، اللہ کے رسول ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ:

"اللہ کی خوشنودی، ماں باپ کے خوش ہونے میں ہے۔ اللہ کی ناراضی، ماں باپ کے ناراض ہونے میں ہے۔"

عَنْ أَبِیْ بَكْرٍ: كُلُّ الذُّنُوْبِ يُؤَخِّرُاللهُ تَعَالىٰ مَا مِنْهَا اِلَّاعُقُوْقَ الْوَالِدَيْن فَاِنَّ اللهَ تَعَالىٰ يُعَجِّلُه لِصَاحِبِه فِي الحَيَاةِ الدُّنْيَا قَبْلَ الْمَمَا تِ.

( حاکم، اصبھانی ،طبرانی بحوالہ :صفحہ :۲۸، "زوجین ،والدین اور اساتذہ کے حقوق"امام احمد رضاؔ بر یلوی علیہ الرحمہ، ناشر : مکتبۃ المدینۃ ،دعوت اسلامی)

ترجمہ: حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ خدا تعالیٰ ہر گناہ کی سزا میں تاخیر کرتا ہے مگر ماں باپ کی نافرمانی کی سزا، تو خدائے ذوالجلال، ماں باپ کی نافرمانی کرنے والے کو، مرنے سے پہلے اسی دنیا کی زندگی میں جلدی سزا دیتا ہے۔

عن أبی أُمامۃَ رضی اللہ عنہ أَنَّ رَجُلاً قَالَ یا رسولَ اللہ ﷺ مَا حَقُّ الْوَالِدَينِ عَلىٰ وَلَدِهِمَا؟ قَالَ: هُمَا جَنَّتُكَ وَ نَارُكَ .

(ابن ماجہ ،صفحہ:۲۶ ،ناشر :دار الکتاب دیو بند)

ترجمہ: حضرت ابو امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ اولاد پر ماں باپ کا کیا حق ہے؟ تو اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: ماں ،باپ تمھاری جنت ہیں اور جہنم بھی۔

عَنْ عمروابْنِ شُعَيْبِ عن أبيهِ عن جدِّهِ أَنَّ رَجُلاً أَتَى النبیَّ ﷺ فَقَالَ يَا رسولَ اللہ اِنَّ لِیْ مالاً و ولدًا و اِنَّ وِالِدِیْ يَحْتَاجُ مالِیْ قَالَ أَتى قَالَ: أَنْتَ وَ مَالُكَ لِوَالِدِكَ أَنَّ أَوْلَادَكُمْ مِنْ أَطْيَبِ كَسْبِكُمْ فَكُلُوْا مِنْ كَسْبِ أَولادِكُمْ. (ابوداؤد صفحہ: ۹۴۸، جلد: ۲ ، کتاب البیوع، باب الرجل یاکل من مال ولدہ ناشر : دارالکتاب دیو بند)

ترجمہ: حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد اور ان کے والد اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص اللہ کے رسول ﷺ کے پاس آیا ۔پس اس نے عرض کیا کہ یارسول اللہ !میرے پاس مال اور اولاد ہے اور میرے والد میرے مال کے محتاج ہیں۔ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: تم اور تمھارا مال دونوں تمھارے باپ کی ملکیت ہیں۔ اس لیے کہ اولاد تمھاری بہترین کمائی میں سے ہیں، تو کھاؤ اپنی اولاد کی کمائی سے۔

طَاعَةُاللهِ طَاعَةُ الْوَالِدِ وَ مَعْصِيَةُاللهِ مَعْصِيَةُ الْوَالِدِ . رَوَاهُ الطَّبْرَانِى عَنْ اَبِىْ هُرَ يْرَةَ.(طبرانی ،بحوالہ: زوجین ،والدین اور اساتذہ کے حقوق"امام احمد رضاؔ بر یلوی علیہ الرحمہ، ناشر : مکتبۃ المدینۃ،دعوت اسلامی)

ترجمہ: طبرانی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ اللہ رب العزت کی اطاعت ،والد کی فرمانبرداری ہے اور اللہ رب العزت کی معصیت، والد کی نافرمانی ہے۔

عَنْ أَبِىْ هُرَ يْرَةَقَالَ :جَاءَ رَجل اِلىٰ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ فَقَال:مَنْ اَحَقُّ بِحُسْنِ صَحَابَتِيْ؟ قَالَ: أُمُّكَ قَالَ ثُمَّ مَنْ؟ قَالَ:ثُمَّ أُمُّكَ قَالَ ثُمَّ مَنْ؟ قَالَ: ثُمَّ أُمُّكَ قَالَ:ثُمَّ مَنْ؟قَالَ أَبُوكَ. (صحیح بخاری ،کتاب الادب ، باب: مَنْ احقُّ بحسن صحابتی صفحہ:۸۸۳ جلد:۲ ،ناشر : مجلس برکات،مبارکپور ، اعظم گڑھ )

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ: اللہ کے رسول ﷺ کی بارگاہ میں ایک شخص آیا اور عرض کیا یارسول اللہ ﷺ میرے حسنِ سلوک کے سب سے زیادہ حقدار کون ہیں؟

ارشاد فرمایا: تمھاری ماں زیادہ حقدار ہے۔

اس نے عرض کیا پھر کون؟

آپ نے ارشاد فرمایا: تمھاری ماں زیادہ حقدار ہے۔

اس نے عرض کیا پھر کون؟

آپ نے ارشاد فرمایا: تمھاری ماں ہی زیادہ حقدار ہے۔

اس نے عرض کیا پھر کون؟

تو آپ نے ارشاد فرمایا: تمھارے والد۔

ماں کا باپ سے تین درجہ زیادہ حق رکھنے کی وجہ قرآن عظیم میں یوں بیان فرمائی گئی ہے۔

وَوَصَّيْنَا الْاِنسَانَ بِوَالِدَيْهِ اِحْسَاناً حَمَلَتْهُ اُمُّهُ كُرْهاً وَّوَضَعَتْهُ كُرْهاً وَّحَمْلُهُ وَفِصَالُهُ ثَلاثُوْنَ شَهْراً (احقاف:۱۵)

ترجمہ: اور ہم نے آدمی کو حکم کیا کہ اپنے ماں باپ سے بھلائی کرے، اس کی ماں نے اسے پیٹ میں رکھا تکلیف سے اور جنی اس کو تکلیف سے اور اسے اٹھائے پھرنا اور اس کا دودھ چھڑانا تیس مہینہ میں ہے۔(کنزالایمان)

اس آیت میں اللہ رب العزت نے ماں باپ، دونوں کے ساتھ نیک سلوک کرنے کا حکم دیا اور آگے بالخصوص ماں کے ساتھ

حسن سلوک کرنے کا حکم دیتے ہوئے فرمایا: حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ كُرْهًا۔ یہ الفاظ، انسان کو اس زمانے کی طرف متوجہ کرتے ہیں، جب اس کی ماں اسے پیٹ میں سنبھالا دیئے ہوئے تھی اور وَوَضَعَتْهُ كُرْهًا میں پیدائش اور دردِ زہ کی طرف اشارہ ہے کہ اس کی ماں نے نہایت جان لیوا تکلیف کی حالت میں جنا اور پھر ان دونوں کو ملا کر وَفِصَالُهٗ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا فرمایا۔ اس عرصہ میں ماں ایک دو مہینے نہیں بلکہ تیس مہینے (ڈھائی سال) تک اپنی جان، اولاد کے آرام و آسائش کے لیے کھپائے رکھی اور اپنے آپ کو مسلسل بے آرامی اور بے سکونی میں مبتلا کیے رکھا۔

بچے کی پرورش میں ماں کا کردار بے بدل اور انتہائی اہمیت کا حامل ہے۔ ذرا اندازہ لگایئے کہ قدرت نے اس میں ممتا کا کتنا بڑا خزانہ بھر دیا ہے۔ وہ اپنے بچے کی زندگی، صحت اور تندرستی کے لیے جان تک داؤ پر لگانے سے گریز نہیں کرتی۔ موسم سرما میں کڑاکے کی سرد راتوں میں جب بچہ پیشاب کر دیتا ہے تو وہ بچے کو پیشاب والی گیلی جگہ سے ہٹا کر خشک بستر پر لٹاتی ہے اور خود گیلے بستر پر لیٹنے کو ترجیح دیتی ہے۔ وہ بچے کی راحت اور آرام کے لیے خود بے آرامی میں مبتلا ہونا تو گوارا کر لیتی ہے۔ لیکن بچے کی ذرہ بھر تکلیف اسے ملول اور رنجیدہ کر دیتی ہے۔

جب بچہ تکلیف میں ہوتا ہے تو تمام گھر کے لوگ حتیٰ کہ باپ بھی بستر پہ آرام کی نیند لے رہا ہوتا ہے۔ مگر ماں کو رات بھر نیند نہیں آتی اور وہ آنکھوں آنکھوں میں رات گزار دیتی ہے۔

أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ قَالَ وَاعْلَمُوا أَنَّ الْجَنَّةَ تَحْتَ ظِلَالِ السُّيُوْفِ (صحیح بخاری: باب الجنة تحت بارقة السيوف، صفحہ: ۳۹۵، جلد اول، ناشر: مجلس برکات، مبارکپور، )

قَالَ أَلْزِمْهَا فَاِنَّ الْجَنَّةَ تَحْتَ رِجْلَيْهَا.

(سنن نسائی: جلد ثانی، صفحہ: ٤٤، الرخصة لمن له والدة، کتاب الجهاد، دار الکتاب دیو بند)

یہ احادیث کے ٹکڑے ہیں۔ پہلے میں اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: اے لوگو! خوب جان لو کہ جنت، تلواروں کے سایہ تلے ہے۔

دوسری حدیث میں ارشاد فرمایا: اپنے ماں کی خدمت کرو اس لیے کہ جنت ماں کے قدموں تلے ہے۔

مطلب خوب واضح ہے کہ جنگ میں اپنی زندگی ہار کر جو انعام اللہ کے یہاں عطا کیا جاتا ہے، وہی انعام، ماں کی خدمت کرکے بھی حاصل ہوتا ہے۔

وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حُسْنًا وَاِنْ جَاهَدَاكَ لِتُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا اِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ (عنکبوت:۸)

ترجمہ: ہم نے آدمی کو تاکید کی، اپنے ماں باپ کے ساتھ بھلائی کی اور اگر وہ تجھ سے کوشش کریں کہ تو میرا شریک ٹھہرائے جس کا تجھے علم نہیں تو ان کا کہا نہ مان، میری طرف تمھارا پھرنا ہے تو میں بتا دوں گا تمہیں، جو کرتے تھے۔ (کنزالایمان)

یہ آیت واضح کرتی ہے کہ اطاعت والدین، انسان پر کس حد تک لازم ہے۔ اگر خدانخواستہ کسی مسلمان کے والدین کافر و مشرک ہوں تب بھی صرف جائز امور میں ہمیں ان کی اطاعت اور مناسب خدمت کرنی ہے۔

ہاں! اگر وہ کفر و شرک کی جانب پھرنے کا یا کسی معصیت کا حکم دیں تو ہمیں ایسے میں ان کی اطاعت نہ کرنے کا حکم ہے۔ اس لیے کہ اللہ کا حق سب سے بڑھ کر ہے اور حدیث شریف میں ہے:

" لَا طَاعَةَ فِيْ مَعْصِيَةِ اللهِ اِنَّمَا طَاعَةُ اللهِ فِي الْمَعْرُوْفِ " (ابو داوٗد، صفحہ: ۳۵۳، جلد: ۲، کتاب الجهاد، باب فی الطاعة، دار الکتاب دیو بند.)

یعنی معصیت خداوندی میں کسی مخلوق کی بات نہیں مانی جائے گی۔ مخلوق کی کوئی بات صرف جائز امور میں مانی جائے گی۔

ایک مرتبہ حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اللہ کے رسول ﷺ سے پوچھا کہ میری ماں کافرہ، مشرکہ ہیں۔ کیا میں ان سے صلہ رحمی کروں؟ حضور ﷺ نے فرمایا: ہاں۔

أَنِ اشْكُرْ لِيْ وَلِوَالِدَيْكَ اِلَيَّ الْمَصِيْرُ. (لقمان:۱۴)

ترجمہ: یہ کہ حق مان میرا، اور اپنے ماں باپ کا آخر مجھی تک آنا ہے۔ (کنزالایمان)

ہمیں ماں باپ کا ادب و احترام اور ان کا شکریہ ادا کرنا چاہیے۔

ایک انسان پر دوسرے انسان کا کیا حق ہے؟ اس سلسلے میں سب سے پہلا حق انسان پر ماں باپ کا حق ہے۔ قرآن و حدیث میں جابجا اس کی ہدایت و تاکید کی گئی ہے کہ اپنے والدین کی اطاعت و خدمت کرتے رہو اور اس میں کسی طرح کی غفلت و کوتاہی نہ کرو، رب تعالیٰ ہمیں غفلت سے بچائے۔ واللہ الموفق۔

***

# سیدنا شیخ عبد القادری جیلانی اور تحریک احیاے دین

محمد ہاشم قادری مصباحی

**حضور پیرانِ پیر** شیخ عبد القادر جیلانی علیہ الرحمہ کی مبارک حیات طیبہ کے مختلف گوشے اہلِ اسلام کے لیے راہِ ہدایت ہیں۔ آپ کی پاکیزہ، مجاہدانہ، عملی زندگی اور تحریک احیاے دین جو آپ کا مقصدِ حیات بھی تھی۔ پڑھنا، سننا طالبانِ راہِ حق کے لیے انتہائی ضروری ہے۔ ایمانیات، تصوف، اصلاحِ عقائد، بندگیِ رب العسزت اور بندگانِ خدا کو راہِ راست پر لانا، اسلام کا پیرو بنانا، احیاے دین کرنا جس کی بنا پر حضرت شیخ محی الدین کا لقب بھی ملا۔ ہم آپ کے ملفوظات کی روشنی میں واضح کرنا چاہتے ہیں کہ آپ کی تعلیمات مسلمانوں کے لیے کس قدر اہمیت کی حامل اور دین و دنیا کے لیے فائدہ مند ہیں۔ اگر آپ کی احیاے دین کی جدوجہد نمایاں نہ ہوتی اور اگر آپ کا یہ امتیازی وصف نہ ہوتا تو پھر یہ لقب بے معنی ہوتا۔

آپ ایک ملفوظ میں فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دین کی دیواریں پے در پے گر رہی ہیں اور اس کی بنیاد بکھر گئی ہے اس کو درست کردیں۔ یہ چیز ایک سے پوری نہیں ہوگی (سب کو مل کر کام کرنا چاہیے)۔ اے سورج اور اے چاند اور اے دن! تم سب آؤ۔ اس مختصر سے ملفوظ میں احیاے اسلام اور اقامت دین کے لیے کتنی تڑپ، کتنا سوز اور کتنا درد چھپا ہوا ہے۔ اس کو پڑھ کر قاری کا دل ہل جاتا ہے۔ پکارنے والا دین کی اقامت کے لیے پوری کائنات کو پکار رہا ہے۔ اس سے زیادہ پرزور اور عام دعوتِ دین دوسری کیا ہوگی۔ احیاے اسلام اور اقامت دین کی جدوجہد کے لیے اجتماعیت کا کتنا شدید احساس ہے۔ آپ ایک دوسرے ملفوظ میں ارشاد فرماتے ہیں: صاحبو! اسلام رو رہا ہے اور ان فاسقوں، بدعتیوں، گمراہوں اور مکر کے کپڑے پہننے والوں اور ایسی باتوں کا دعویٰ کرنے والوں کے ظلم سے جو ان میں نہیں ہیں، اپنے سر کو تھامے ہوئے فریاد مچا رہے ہیں۔

**دین بر حق کی خدمت پر اللہ کا اجر:** حضرت قطب ربانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ارشاد فرمایا: جس نے اللہ تعالیٰ کے دین بر حق کی خدمت اور تبلیغ واشاعت صدق و خلوص کے ساتھ کی اللہ خود اس کا اجر و ثواب بن جاتا ہے اور دنیا و عقبیٰ میں اسے عزت و آبرو عطا فرماتا ہے۔ فرمایا اللہ تعالیٰ نے:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ یَنْصُرْكُمْ وَ یُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ۝۷۔ (القرآن، سورہ محمد، آیت ۷)

ترجمہ: اے ایمان والو، تم دین خدا کی مدد کروگے اللہ تعالیٰ تمھاری مدد کرے گا اور تمھارے قدم جمادے گا۔ (کنز الایمان)

اللہ کی مدد کرنے سے مراد اللہ کے دین کی مدد ہے کیوں کہ وہ اسباب کے مطابق اپنے دین کی مدد اپنے مومن بندوں کے ذریعہ ہی کراتا ہے۔ یہ مومن بندے اللہ کے دین کی حفاظت اور اس کی تبلیغ و دعوت کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کی مدد فرماتا ہے۔ یعنی انہیں کافروں پر فتح و غلبہ عطا کرتا ہے جیسے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں کی روشن تاریخ ہے۔ وہ دین کے ہوگئے تو اللہ بھی ان کا ہوگیا۔ انہوں نے دین کو غالب کیا تو اللہ نے انہیں بھی دنیا پر غالب فرمادیا۔ دوسرے مقام پر رب نے فرمایا:

وَ لَیَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ یَّنْصُرُهٗ (القرآن، سورہ حج، آیت ۴۰)

ترجمہ: اللہ اس کی مدد ضرور کرتا ہے جو اس کی مدد کرتا ہے۔

جو اللہ کے دین کی مدد کرے گا اللہ بھی ضرور اس کی مدد کرے گا۔ بے شک اللہ تعالیٰ بڑی قوتوں والا ہے۔ تم اللہ کی مدد کرو (یعنی اس کے دین کی نشر و اشاعت کرو) وہ تمہیں صراط مستقیم پر ثابت قدم رکھے گا اور تمھاری ہر طرح کی مدد فرمائے گا۔ پس میں تمہیں تاکید کرتا ہوں کہ اللہ کے کلام کی تبلیغ و اشاعت کرو، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو اور تسلیم و رضا کو اپنا شعار بناؤ۔ جو مسلمان اللہ کے کلام اور اس کے نبی کی سنت کی تبلیغ و اشاعت کے لیے اپنی زندگی وقف کردیتا ہے اس کا اجر و ثواب فی سبیل اللہ جہاد کرنے والوں سے بھی زیادہ ہے اور اللہ تعالیٰ کی نصرت و اعانت ہمیشہ اس کے شاملِ حال رہتی ہے۔ (فتوح الغیب، مقالہ نمبر ۳۸، صفحہ ۱۰۶)

سیدنا شیخ عبد القادر جیلانی فرماتے ہیں کہ اگر حدودِ الٰہی میں (احکامِ شرعی) میں سے کوئی حد ٹوٹتی ہے تو سمجھ لو کہ تم فتنے میں پڑ گئے اور شیطان تم سے کھیل رہا ہے۔ فوراً شریعت کی طرف رجوع کرو۔ اسے تھام لو۔ نفس کی خواہشات کو جواب دو۔ اس لیے کہ ہر وہ حقیقت جس کی شریعت تائید نہیں کرتی، باطل ہے۔ حضرت محبوب سبحانی سیدنا شیخ عبد القادر جیلانی کی ساری زندگی خلق خدا کا رشتہ خالق سے جوڑنے میں گزری۔ انہوں نے اللہ کے بندوں کو بندوں کی غلامی سے نکال کر اللہ کی بندگی میں لگایا۔ آپ ارشاد فرماتے ہیں: ایک مرتبہ ایک بڑی عظیم روشنی ظاہر ہوئی جس سے آسمان کے

خطیب و امام مسجد ہاجرہ رضویہ، اسلام نگر، کپالی، پوسٹ: پارڈیہ، مانگو، جمشید پور (جھارکھنڈ)

کنارے بھر گئے۔ اس سے ایک صورت ظاہر ہوئی اور اس نے مجھ سے خطاب کر کے کہا: اے عبد القادر، میں تیرا رب ہوں، میں نے تیرے لیے سب محرمات (حرام) حلال کر دئے ہیں۔ میں نے کہا: دور ہو مردود۔ یہ کہتے ہی وہ روشنی ظلمت سے بدل گئی اور صورت دھواں بن گئی اور ایک آواز آئی عبد القادر، خدا نے تمھارے علم و تفقہ کی وجہ سے بچا لیا ورنہ اس طرح میں ستر صوفیوں کو گمراہ کر چکا ہوں۔ میں نے کہا: اللہ کی مہربانی سے۔ کسی نے عرض کیا حضرت، آپ کیسے سمجھے کہ یہ شیطان ہے۔ کہا، اس کے کہنے سے کہ میں حرام چیزوں کو تمھارے لیے حلال کر دیا۔

**ایمان کی بنیاد عقیدہ توحید کو مضبوط کرتی ہے:** حضرت شیخ عبد القادر جیلانی نے ایک مجلس میں توحید کے مضمون کو اس طرح واشگاف الفاظ میں بیان فرمایا: ساری مخلوق عاجز ہے، نہ کوئی تجھے نفع پہنچا سکتا ہے نہ نقصان۔ جو کچھ تیرے لیے مفید ہے یا مضر اس کے متعلق اللہ کے علم میں قلم چل چکا ہے۔ اس کے خلاف نہیں ہو سکتا۔ جو نیکو کار ہیں وہ باقی مخلوق پر اللہ کی حجت نہیں۔ بعض ان میں ایسے ہیں جو ظاہر اور باطن دونوں اعتبار سے دنیا سے دور ہیں گو دولت مند ہیں مگر حق تعالیٰ ان کے اندر دنیا کا کوئی اثر نہیں پاتا۔ یہی قلوب ہیں جو صاف ہیں۔ جو شخص اس پر قادر ہوا سے مخلوقات کی بادشاہی مل گئی۔ جو اپنے قلب کو مقلب القلوب سے وابستہ کرتا ہے شریعت اس کے ظاہر کو تہذیب سکھاتی اور توحید و معرفت باطن کو مہذب بناتی ہے۔

**مشیت الٰہی کے خلاف شکایت مت کر:** محبوب سبحانی قطب ربانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ارشاد فرمایا: ہم تجھے تاکید کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے جو امور تیرے لیے ظاہر ہوں ان کے خلاف کسی کے سامنے شکایت نہ کر اور اللہ تعالیٰ نے جیسا اور جو سلوک تجھ سے کیا ہو اس فعل کے باعث مخلوقات میں اسے مہتم نہ کر۔ اگر کسی دور میں تو مبتلائے مصائب و آلام رہا ہو تو یہ تجھے سمجھنا چاہیے کہ مصیبت کے بعد راحت و آرام ہے اور غم و الم کے بعد مسرت و شادمانی بھی ہے۔ جیسا کہ اس نے اپنے کلام مقدس میں فرمایا: بلاشبہ مصیبت کے بعد راحت ہے۔ اللہ تعالیٰ کی رحمتیں بہت وسیع و بسیط ہیں۔ اتنی بسیط کہ بندہ انہیں شمار نہیں کر سکتا۔

حق تعالیٰ نے فرمایا: اور اگر تم اللہ کی نعمتیں شمار کرنا چاہو تو انہیں ہرگز شمار نہ کر سکو گے۔ پس جب اللہ تعالیٰ کی اتنی نعمتیں نوع انسانی کے لیے مقدر ہیں کہ تو ان کا احاطہ بھی نہیں کر سکتا تو اس فیاضی اور رحمت و بخشش سے ہرگز مایوس نہ ہو۔ خالق کے علاوہ مخلوق سے باطنی ربط و تعلق نہ رکھ۔ تیری محبت ہو تو پھر اسی سے ہو عرض حاجت ہو تو اسی کے حضور ہو اور کسی قسم کا شکوہ و شکایت نہ ہو کیوں کہ دنیا میں جتنے اور جس نوعیت کے بھی عوامل اور واقعات ہیں وہ سب اس کے اذن اور حکم سے ظہور پذیر ہوتے ہیں۔ پس احوالِ تقدیر پر شکوہ شکایت نہ کر اور مشیت ایزدی کے خلاف واویلا چھوڑ دے کیوں کہ مختلف مصائب میں کتنے مصائب ہیں جو انسان پر اپنے پروردگار کی شکایت کے باعث نازل ہوتے ہیں۔ شیخ جیلانی فرماتے ہیں: میں حیران ہوں کہ تو ایسے پروردگار کی شکایت کس طرح سے کرتا ہے جو ارحم الراحمین ہے، خیر الحاکمین ہے، فیاض و مہربان ہے، بندوں پر رحمت و بخشش فرمانے والا ہے اور ان پر والدین سے زیادہ شفقت و کرم کرنے والا ہے۔ اللہ کے رسول نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر اس سے بھی زیادہ مہربان ہے جتنا کہ والدین اپنی اولاد پر ہوتے ہیں۔ پس تم بھی اللہ کا ادب و احترام اختیار کرتے ہوئے زندگی میں جو مصائب در پیش آئیں ان پر صبر و تحمل کرتے ہوئے اللہ سے عفو و کرم کے خواستگار رہو کیوں کہ طلب عفو پر معاف کر دینا اور مشکلات رفع فرمانا اس کا دستور ہے۔ (فتوح الغیب، مقالہ نمبر ۱۸، ناز پبلشنگ ہاؤس، دہلی)

**ایمان کو مضبوط کرنا احیاے دین کا حصہ:** حضرت پیران پیر قطب ربانی نے ارشاد فرمایا: اگر تو اللہ کی رحمت سے مایوس ہونے لگے تو سمجھ لے کہ تیرا یقین و ایمان بہت کمزور ہے۔ ورنہ اللہ تعالیٰ نے اپنی شرطِ اطاعت کے ساتھ مومن سے جو وعدہ کر رکھے ہیں ان کی خلاف ورزی وہ ہرگز نہیں کرتا اور جب تیرے دل میں یقین و ایمان محکم ہو گیا تو اللہ تعالیٰ تجھے یوں خطاب فرمائے گا: آج کے دن تو ہمارا محبوب و مقرب ہے اور ہماری رحمتیں تیرا استقبال کرتی رہیں گی۔ یہ خطاب تجھ سے بار بار ہو گا اور پھر تو خدا کے برگزیدہ بندوں میں سے ہو جائے گا اور درجۂ ایمان پر تیرا کوئی ارادہ و مطلب باقی نہ رہے گا اور تو ارادۂ الٰہی کی موافقت ہی میں روحانی سرور محسوس کرے گا۔ اب تو اللہ کے سوا تمام دیگر چیزوں سے بے رغبت اور بے نیاز ہو گیا اور شرک کی تمام آلائشوں سے محفوظ۔ اب تجھے اللہ کی طرف سے رتبہ تسلیم و رضا عطا ہو گا اور اس کی حمایت و خوشنودی کا تجھ سے وعدہ کیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ کی ظاہری و باطنی نعمتیں تیرے لیے بسیط ہو جائیں گی اور تیرے کلام کو معمور حکمت کیا جائے گا۔ پھر تجھے دنیا و عقبیٰ میں جن و انس تمام مخلوقات میں محبوب و محترم بنایا جائے گا کیوں کہ اللہ کی اتباع سے تو نے مخلوق کو مطیع کر لیا ہے۔ اللہ کی محبت مخلوق کی محبت کی ضامن ہے اور اس کا قہر مخلوق میں بغض پیدا کرتا ہے۔ پھر دنیا میں تو نے جن چیزوں کی خواہش کی ہو گی اور تجھے نہ ملی ہوں تو ان کا عمدہ سے عمدہ معاوضہ تجھے آخرت میں دیا جائے گا۔ تجھے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہو گا اور جنت الماویٰ کی تمام برگزیدہ نعمتیں تجھے عطا کی جائیں گی۔ اگر تو نے دنیائے فانی میں رہتے ہوئے نفس کی لذت و شہوات سے اجتناب کیا اور خالصتاً اپنے معبود بر حق ہی کا اپنا قبلۂ مقصود بنایا تو اس جذبۂ توحید کی برکت سے تجھے اللہ تعالیٰ دنیا میں بھی اپنی جائز حلال نعمتوں سے وسعت کے ساتھ فیض یاب فرمائے گا اور عقبیٰ میں تجھے

موحدین وصالحین کے ساتھ بلند درجات عطافرمائے گا۔

**راہِ اعتدال تبلیغ دین کا حصہ:** سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی کے اقوال اور ارشادات سے یہ بات ثابت ہے کہ آپ نے اسلام کی اعتدال کی راہ کو اپنایا اور بندگان خدا کو اس کی تعلیم دی۔ دولت، انسان کے اعمال کی بہتری، خدمت خلق، ایثار قربانی اور رضائے الٰہی کے حصول میں معاون بھی رہتی ہے پھر حکماء کے بقول یہی دولت انسان کی کمزوری اور بے راہ روی، ظلم و زیادتی کا ذریعہ بھی ثابت ہوتی ہے۔ یہ ایک نازک پہلو ہے جس کی وجہ سے اسلام نے اعتدال پر زور دیا ہے تاکہ کوئی بشر کسی بشر کا حق چھین نہ سکے۔

دراصل معاملات کی درستگی قانون عدل کے بغیر مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن ہے۔ جب تک عدل و انصاف کا نظام قائم نہ ہو، معاشی زندگی میں حقوق پامال ہوتے رہتے ہیں۔ خوفِ خدا اور احتساب نفس اس نظام کی بنیاد ہے۔ جس کے اندر خوف خدا اور احتساب نفس نہ ہو تو وہ انسان نہ تو اپنی زندگی کے ساتھ انصاف کر سکے گا اور نہ ہی مخلوق کو انصاف دے سکے گا۔ آپ سیدنا شیخ بے پناہ خدا کا خوف رکھتے تھے۔ خلفاء اور حکام کو ہمیشہ تنبیہ کرتے رہتے اور ان کے منصفانہ طرز عمل اور ظالم حکمرانوں کو تنقید فرماتے تھے۔ آپ صرف وعظ و نصیحت پر اکتفانہ فرماتے بلکہ ضرورت سمجھتے تو بڑی صاف گوئی اور جرأت کے ساتھ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دیتے۔ حکام و سلاطین و خلیفہ وقت پر تنقید اور ان کے غلط فیصلوں کی مذمت بھی کرتے اور اس کے بارے میں کسی کی وجاہت اور اثر کی مطلق پرواہ نہ کرتے۔

حافظ عمادالدین بن کثیر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنی کتاب میں لکھتے ہیں: آپ خلفاء، وزراء، سلاطین کو بڑی صاف گوئی اور بیباکی و جرأت کے ساتھ ان کو بھرے مجمع میں بر سر منبر ٹوک دیتے۔ جو کسی ظالم کو حاکم بناتا اس پر اعتراض کرتے اور اللہ کے معاملے میں کسی ملامت والے کی آپ کو پرواہ نہ ہوتی تھی۔

**محبوب سبحانی کے ارشادات و نصیحتیں:**

(۱) اللہ تعالیٰ کے اسم مبارک کی قسم نہ کھاؤ۔ اس میں احتیاط رکھو کہ تمھاری زبان سے خدا کی قسم کا لفظ نہ نکلے۔ اس عادت کا نتیجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے انوار کا ایک دروازہ اس کے قلب پر کھول دیا جاتا ہے، اسے رخصت پایہ حاصل ہوتی ہے۔ اس کے عزم وارادہ میں قوت واستحکام پیدا ہوتا ہے۔

(۲) جھوٹ سے بچو بلکہ ہنسی مذاق میں جھوٹ نہ بولو۔ یہ عادت صادقہ اختیار کرنے پر اللہ تبارک وتعالیٰ شرح صدر فرمائے گا اور علم صافی عطا فرمائے گا۔

(۳) ایفائے عہد کرو تاکہ سخاوحیا کے مراتب تم پر آشکارا ہوسکیں۔

(۴) مخلوق الٰہی کے لیے لعنت کا لفظ استعمال نہ کرو۔ ابرار وصادقین کے اخلاق کا یہی طریقہ ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی حفظ آبرو فرماتا ہے اور نقصان خلق سے مامون کر دیتا ہے۔

(۵) کسی کے لیے بددعا نہ کرو بلکہ صبر کے ساتھ زور و ستم برداشت کیا کرو۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ مخلوق میں اسے محبت وقبولیت عامہ منصب عطا ہوتا ہے۔

(۶) اہل قبلہ میں سے کسی ایک کے مشرک، کافر، منافق ہونے کی بشارت قطعی نہ دو۔ اتباع سنت نبوی یہی ہے۔ اور اس بات سے انسان علمِ الٰہی میں مداخلت کرنے سے بچ سکتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ ایسا کرنے والے کو رحمت عامہ کے فیضان سے کثیر حصہ مل جاتا ہے۔

(۷) گناہ ظاہری یا باطنی ہوں ان سے خود کو بالکل قطع نظر کر ڈالو اور اپنے جوارح کو بھی بچاؤ۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ قلب وجوارح کو اس کا اثر جلد معلوم ہوجائے گا۔

(۸) اپنی معیشت و روزی کا بوجھ مخلوق پر نہ ڈالو۔ اس عادت سعید سے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی خدمت خوش اسلوبی سے ادا ہو سکتی ہے اور اس میں کمال عزت ہے۔

(۹) ابن آدم سے ذرہ بھر بھی لالچ نہ رکھ۔ عزت، بزرگی، غنا، خالص نقش شافی توشاق، اس خصلت میں ہے اور زہد کا اصول اسی بات پر منحصر ہے۔

(۱۰) تواضع اور مدارات کو اپنی عادت بناؤ۔ اس عادت میں جملہ طاعت شامل ہوجاتی ہیں۔ اس میں علو مرتبت ہے، یہی کمال تقویٰ ہے اور اس عادت سے صالحین تک رسائی ہے۔ آپ نے فرمایا: اپنے احوال کی شکایت کسی دوست نہ کسی قرابت دار سے اور نہ کسی دوسرے سے کیا کرو۔ ایسا کرنا اللہ تعالیٰ کی شکایت کرنا ہے۔ کسی مخلوق پر اعتماد اور بھروسہ نہ کرو اور نہ کسی سے کچھ سوال کرو اور نہ کسی کو دل کی حالت بتلاؤ۔

**لقب محی الدین:** حضرت عمر کیانی و شیخ عمر بزار سے نقل ہے کہ انہوں نے آپ سے پوچھا کہ آپ کے لقب محی الدین کا کیا باعث ہے؟ تو آپ نے فرمایا: دین اسلام بوڑھا، کمزور ہو گیا تھا اس کو توانا کیا محی الدین ہوا۔

آپ نے خاصان خدا کو مخاطب کر کے فرمایا: انتباہ کرنا سیکھو۔ بدعت کے کام نہ نکالو، اطاعت کرو الگ راہ نہ اختیار کرو۔ گناہ سے آلودہ نہ ہوا کرو بلکہ ان سے پاک رہا کرو۔ اپنے مالکِ حقیقی کے آستانہ پر جمے رہو۔ صبر اختیار کرو بے صبر نہ ہو، ثابت قدم رہو، تفرقہ سے بچو، رحمتِ الٰہی سے مایوس نہ ہوا کرو۔ ذکر الٰہی کرنے کے لیے اکٹھے ہوجایا کرو۔

حدیثِ نبوی ہے: (ترجمہ) حکمت کی بات مومن کی گمشدہ چیز ہے جہاں بھی اسے پائے اسے حاصل کرے کیوں کہ وہی اس کا بہترین مستحق ہے۔ اللہ ہمیں نیک باتوں پر عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین! ثم آمین!! ☆

# ورق ورق زندگی

صغریٰ بیگم خانم

**نام:** لودی محمد شفیع خان، المتخلص بیکلؔ اتساہی

**تاریخ پیدائش:** یکم جون ۱۹۲۸ء، نمازِ فجر سے ایک گھنٹہ پہلے بروز جمعہ

**مقام:** موضع گورر مواپور، تھانہ وتحصیل اُترولہ ضلع گونڈہ (یوپی)

**والد:** لودی محمد جعفر خاں مرحوم۔

**والدہ:** بسم اللہ بی بی خلیل زئی مرحومہ۔

**عہدِ طفلی:** نہایت صحت مند، جاگیردارانہ لاڈ وڈُلار کے پروردہ، رُعب و جلال کی گھن گرج کا ماحول پایا۔ حویلی کی چہار دیواری میں افراط و تفریط کی فضاؤں میں کھیل کود، تنہائی پسند، صرف کاغذ کے ٹکڑوں کو اکٹھا کر کے چھوٹی چھوٹی کتابی شکل دینا، دودھ، دہی اور سادہ کھانا پسند کرنا، میوہ جات اور پھلوں کی چاہت، حویلی سے باہر غریب کے بچوں کے ساتھ دھول مٹی میں کھیلنا بے حد پسند۔

**تعلیم:** عربی (قرآن شریف)، فارسی (آمد نامہ، گلستاں، بوستاں) گھر پر مولانا شاہ عبد الغفور ایٹوی کی نگرانی میں۔ یہ بزرگ ایک عمر سے خاندان کے مختلف رؤسا کے یہاں آتے اور زیادہ تر قیام گورر مواپور ہی میں فرماتے۔ بڑے عبادت گذار، زاہد شب زندہ دار اور کشف و کرامات کے حامل تھے۔ انھوں نے ہی پیدائش کے وقت اذان وتکبیر کانوں میں کہی اور عقیقہ کے دن محمد شفیع نام رکھا اور فرمایا یہ بچہ فقیری اور شاہی امتزاج کا ہوگا۔

عربی وفارسی تعلیم کے لیے گاؤں کے پرائمری اسکول میں داخل کیا گیا، چھ ماہ بعد چھ سال کی عمر میں والدہ سے الگ کر دیا گیا، اور دوسرے گاؤں کٹیا مدھوا جوت جو گوور رمواپور سے لگ بھگ دس کوس کے فاصلے پر تھا، وہیں قریب ایک کوس کے فاصلے پر شری دت گنج بازار کے پرائمری اسکول میں مولوی عبد الغنی خان، پنڈت مہادیو پرشاد اور منشی گُر پرشاد کی نگرانی میں داخل کرایا گیا۔

درجہ چہارم اچھے نمبروں سے پاس ہوئے اور وظیفہ پانے لگے تو بلرام پور شہر کے ورناکیولر مڈل اسکول میں درجہ پنجم میں داخلہ ہوا۔

۱۹۴۲ء میں مڈل اسکول درجۂ ہفتم ممتاز حیثیت سے پاس کیا اور صوبہ میں دوسرا نمبر لائے۔

۱۹۴۲ء میں بلرام پور ریاست کے کالج لائیل کالجیٹ میں داخلہ ہوا، تحریکِ آزادی کی گہما گہمی تھی، یہ سب سے کم عمر طالب علم تھے، جنھیں جنگ آزادی میں حصہ لینے پر اسکول سے ایک سال کے لیے نکال دیا گیا، مگر پھر بھی انھوں نے آٹھویں کلاس کے امتحان میں اول و ممتاز حیثیت حاصل کی تو ریاست بلرام پور نے وظیفہ دینا شروع کیا۔

۱۹۴۶ء میں انٹرنس، فارسی، جغرافیہ، میتھ میٹک میں ممتاز و اول درجہ میں پاس کیا، درجہ ہفتم سے تعلیمی حالت ہی میں ہندی اردو کے پرائیویٹ امتحانات دیتے رہے اور فرسٹ آتے رہے، تھرڈ یا سیکنڈ ڈویژن کبھی کلاس میں نہیں رہے۔

۱۹۴۸ء تک منشی، اعلیٰ قابلیت، ادیب ماہر و ادیب کامل اردو میں کیا۔ وشیش یوگیتا وشارد ہندی میں پاس کیا۔ اسی سال قانون گوئی کا امتحان بھی پاس کیا اور ہردوئی ٹریننگ اسکول گئے تو والد نے واپس بلا لیا۔ دو ایک ماہ گھر پر رہے پھر فوج کے بحری بیڑے میں بھرتی ہو گئے اور کوچین چلے گئے، چھ ماہ بعد وہاں سے بھی گھر والوں نے کوشش و پیروی کر کے واپس بلوالیا اور کہا اپنے گاؤں اور زمینداری ہے، کون دیکھے گا، اب تعلیم کی ضرورت نہیں، نوکری خاندان کی توہین سمجھی جاتی ہے۔

**خاندانی زندگی:** ۱۹۴۹ء میں کٹیا مدھوا جوت گاؤں، جس میں بانس ڈیلہ، فیروز پور، ترکولیا تین چھوٹے مواضعات شامل تھے، بیس ہلوں اور پچاس ملازمین کا چارج دے کر سونپ دیا گیا، بڑے بھائی محمد صابر خاں کو نگراں مقرر کیا گیا، جو پہلوانی اور بنوٹ کے ماہر سمجھے جاتے تھے، حویلی کی بارہ دری میں ہمیشہ سے کوئی پہلوان بنوٹ و فنِ سپہ گری کا ماہر، کوئی بزرگ فقیر، فنِ موسیقی، بذلہ سنجی کے جاننے والے رہا کرتے تھے، انھیں باقاعدہ مشاہرہ دیا جاتا تھا، جاگیریں دی جاتی تھیں، چناں چہ بلیا کے بنوٹ کے استاد عارف عباسی صاحب بنوٹ سکھانے پر مقرر ہوئے اور پہلوان محمد علی کشتی سکھانے لگے۔

بیکلؔ صاحب فرمان شاہی سے اُوب جاتے تو کھیت کھلیان میں بیٹھ کر اپنی شاعری کیا کرتے، غریب ہلواہوں، مزدوروں کی حالت پر ترس کھاکر اپنی کچھ زمینیں غریبوں کے نام کردیں اور کاغذات سرکاری میں اندراج کرا دیا اور ان کا غریبوں کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا، کھانا پینا معمول بن گیا۔ یہ سب کچھ زمیندارانہ مزاج کے خلاف تھا، شکایت ملتے ہی ۱۹۴۹ء کے اواخر میں گھر سے نکال دیے گئے۔

۱۹۴۹ء میں شری دت گنج بازار میں مڈل اسکول کھولا، ایک کرایے کے مکان میں، اور ڈسٹرکٹ بورڈ سے منظور کرا کے اسی میں پڑھانا شروع کیا، سال بھر ٹیچری کی۔

۱۹۴۹ء میں ماں کی ممتا نے والد صاحب سے فریاد کی تو بے دلی سے ہاں کہہ دیا، پھر گھر بلائے گئے اور اسی سال والدین کے ہمراہ دیویٰ شریف حضرت حاجی وارث علی کے عرس میں شرکت کرنے گئے تو وہاں مزار پر حاضری کے وقت ایک مجذوب صفت فقیر نے بیکلؔ صاحب کو جھاڑو سے مارنا شروع کیا اور کہتا رہا بیدم گیا، بیکل آیا۔ گاؤں واپسی ہوئی اور جب شعر کہنے کا موڈ ہوا تو تخلص رکھنے پر غور کیا تو یہی بیکل نام سامنے تھا تو اپنا تخلص بیکلؔ رکھا اور شفیع بیکلؔ وارثی لکھنے لگے۔

کسی طرح ایک سال گاؤں کے سنبھالنے میں لگے رہے اور زیادہ سے زیادہ غلہ پیدا کر کے علاقہ میں نام پیدا کیا۔ اس وقت ان کی جدید ٹیکنک اور نئے بیجوں سے کھیتی باڑی کو کافی ترقی دی، مگر جناب کو چین کہاں، وہ جاگیردارانہ نظام کے قائل نہ تھے، غریبوں میں رہنا پسند کرتے، چناں چہ شکار کے بہانے ہمالہ کی ترائی کی طرف روانہ ہوگئے اور تلسی پور کین یونین کے تقابلی امتحان میں بیٹھ کر امتیازی نمبر سے پاس کر کے وہیں پر گنا تول ناپ شعبہ کے انچارج بنا دیے گئے۔ ایک سال ملازمت ہوئی تھی کہ ۱۹۵۲ء میں الیکشن کا سال آگیا، اس وقت تک ضلع اور مشرقی یوپی میں ان کی شاعری اور سماجی، سیاسی کارگزاریوں کی شہرت ہو چکی تھی۔

**سیاسی و سماجی زندگی:** ۱۹۵۲ء میں ضلع کے نیتاؤں نے انھیں کانگریس کا ضلعی سکریٹری بنا کر الیکشن کی انتخابی مہم کا انچارج بنا دیا۔ اب کین یونین کی ملازمت بھی ختم ہوگئی۔ انھوں نے گیتوں، تقریروں، پوسٹروں وغیرہ سے ضلع الیکن کانگریس کے حق میں جیت لیا، بیکلؔ کانگریس کے ضلعی نیتاؤں کے کردار سے خوش نہیں تھے، مگر مجبوری تھی۔ الیکشن کے بعد ڈسٹرکٹ بورڈ ریونیو انسپکٹر بنا دیے گئے، اب دو کام ان کے ذمہ تھے، پارٹی کی تنظیم اور ڈسٹرکٹ بورڈ کی ملازمت۔

۱۹۵۳ء میں ڈسٹرکٹ بورڈ کے چیئرمین کی بدکاری، تنک مزاجی اور شراب خوری سے اوب کر ایک نظم کہی اور استعفیٰ دے کر نیپال چلے گئے۔ وہاں جا کر کانگریس میں شامل ہوگئے اور وہاں سے رانا شاہی کے خلاف تحریک میں بارودی شعبہ میں کام کرتے رہے۔

۱۹۵۴ء میں سوشلسٹ تحریک میں شمولیت کی، اور نہری ٹیکس کے خلاف لوہیا، آچاریہ نریندر دیو وغیرہ کے ساتھ فتح گڑھ، بہرائچ، گونڈہ جیل کا سفر کیا اور قید و بند کی صعوبتیں اٹھائیں۔

**تجارتی زندگی:** ۱۹۵۵ء میں بلرام پور ٹریکٹر ایجنسی کا کاروبار شروع کیا۔ سوتنتر بھارت کمرشیل کمپنی بنا کر مختلف کاروبار شروع کیے، ان کے کئی ساتھی شریک تھے۔ ساتھیوں کی دھوکا بازی سے کاروبار سے علاحدگی اختیار کر لی اور اب مستقل ادبی سرگرمیوں میں مصروف رہنے لگے۔ مشاعروں، نعتیہ جلسوں، کوی سمیلنوں میں ۱۹۴۹ء ہی سے شرکت کرتے تھے۔ اب انھیں برصغیر میں شہرت مل چکی تھی، ریڈیو میں اکثر پروگرام دیتے، رسائل و جرائد میں چھپتے، بس یہی ان کا کاروبار ہو چلا۔

والد کو یہ شعر و شاعری پسند نہ تھی، وہ سمجھتے تھے کہ یہ شراب و شباب میں اِدھر اُدھر بھٹک رہا ہے، خاندان کے ماتھے پر داغ لگا رہا ہے، پھر ایک بار گاؤں میں بلا لیے گئے اور پھر ایک جاگیردار کی بیٹی شریمتی صفیہ خاتون سے نکاح کر دیا گیا۔ بیکلؔ اب بہت زیادہ ذہنی انتشار میں رہنے لگے، ان کے کسی دوست نے صلاح دی کہ تم دوسری شادی کر لو۔ جب تمھیں زمیں داروں، جاگیرداروں کا ماحول پسند نہیں تو کسی غریب یا متوسط درجہ کی لڑکی سے شادی کر لو، میری نگاہ میں ایک لڑکی ہے، جو مظفر نگر بڈھانہ تحصیل کے ہیں، بلرام پور میں موٹر لاری، کباڑی اور میکینک کا کاروبار کرتے ہیں، لڑکی بے حد لائق، محنتی، گرہست، دیندار، حافظِ قرآن ہے، آپ کی نعتوں کا زنانہ محفل میں پڑھتی ہے۔

**ازدواجی زندگی:** انھوں نے میرے والد کو پیغام دیا، محلہ کے لوگوں کے سمجھانے بجھانے پر میرے الجھے ہوئے والد مان گئے اور مسجد میں مغرب کی نماز کے بعد مقتدیوں کی موجودگی میں نکاح شرعی شان و شوکت سے ہو گیا اور میں اسی دن ایک اجنبی شخص کے ساتھ رخصت ہوگئی، جو اب میرے لیے اجنبی نہیں تھا، خاندان میں واویلا مچ گیا، والدین اور ناخوش ہوئے، اب مستقل بلرام پور میں کرائے کا مکان لے کر ہم لوگ گرہستی کرنے لگے۔

یہ ۱۹۵۷ء کا سال تھا، جب میں نکاح کے مقدس رشتہ میں

مسلک ہوئی، میں اور صفیہ باجی بڑی خوشی کے ساتھ رہنے لگے، مگر والد صاحب نہیں چاہتے تھے کہ ہم سب خوشگوار زندگی گزاریں۔ آخر کار ۱۹۵۸ء میں والد صاحب نے بیکل صاحب کو بلا کر بے حد تنگ کیا اور صفیہ صاحبہ کو طلاق دلوادی، عدت کے بعد چھوٹے بھائی محمد رفیع کے ساتھ ان کا نکاح کر دیا، ان کے ایک بچہ اعجاز العزیز خاں اجّن، اور مجھ سے ایک بچی دونوں کو میں نے پال پوس کر جوان کیا۔

اب یہ مشاعروں، جلسوں اور کوی سمیلنوں کی شرکت سے فرصت پاتے تو رکشہ یونین، مزدور یونین اور مدرسہ انوار القرآن میں وقت گزارنے لگے۔

**تخلص:** یوں تو بیکل صاحب شفیع بیکل وارثی ۱۹۴۹ء سے لکھتے رہے، اس سے پہلے تخلص کے قائل نہ تھے، ۱۹۴۴ء سے شعر کہہ رہے تھے، مگر ۱۹۵۲ء میں جب آنجہانی پنڈت جواہر لال نہرو گونڈہ الیکشن کی مہم پر تشریف لائے تو گونڈہ ٹامسن کالج کے میدان میں ہزاروں کی تعداد میں اپنے اور مخالف لوگ آ جمع ہوئے۔ ہندو مہاسبھا اور راجوں مہاراجوں نے کالی جھنڈی دکھانے کا اور کھانے میں انتشار کا پروگرام بنا رکھا تھا، مجمع میں شور شرابا، نعرے بازی چل رہی تھی کہ ضلع کے نیتاؤں نے بیکل صاحب کو اسٹیج پر لا کھڑا کیا اور فرمائش کی کہ بجائے تقریر کے کوئی نظم یا گیت پڑھیے۔ بیکل صاحب نے قصباتی بھاشا میں بعنوان ”کسان بھارت کا“ پڑھنا شروع کیا۔ مجمع خاموش ہوا، پنڈت جی بہت متاثر ہوئے اور تقریر میں کچھ تعریفی جملے بولنے لگے تو پیچھے سے کسی نے لقمہ دیا، صاحب دیش کو ایسے ہی اتساہی کوی کی ضرورت ہے، تو پنڈت جی نے پیچھے مڑ کر پوچھا، اتساہی کے کیا معنیٰ؟ تو لوگوں نے کہا یہ ہندی کا شبد ہے، جس کے معنیٰ ہیں ولولہ، حوصلہ والا، پنڈت جی نے بڑے جذباتی انداز میں کہا، یہ ہمارا اتساہی شاعر ہے، پھر کیا کہنا، ضلع کے لوگ اتساہی کہہ کر پکارنے لگے، اسی رات سے بیکل صاحب نے بیکل اتساہی لکھنا شروع کیا۔

اب یہ ملک اور بیرون ملک اسی نام سے جانے اور پہچانے جاتے ہیں، یہ اس مقام پر ہیں جہاں ان پر متھلا یونیورسٹی بہار اور ساگر یونیورسٹی مدھیہ پردیش میں اسکالر ریسرچ کر چکے ہیں۔

**شعری ادبی سفر:** بیکل اتساہی صاحب نے ۱۹۴۴ء میں درجہ ہشتم سے شعر کہنا شروع کیا تھا، اس وقت کالج میں اردو کے گائڈ مولوی کلیم اللہ صدیقی اور ہندی کے پنڈت رام پرگٹ منی تھے، جنھوں نے انھیں آغاز میں ڈگر دکھائی، پھر اس کے بعد انھوں نے کسی سے مشورہ نہیں لیا، خود سے اور دوست واحباب سے رائے لے کر اطمینان کر لیتے تھے۔

مجھے یاد ہے شاید پہلا شعر انھوں نے حضرت اصغر گونڈوی کے مصرعہ ”غبارِ قیس کیوں اڑتا ہے کیوں برباد ہوتا ہے“ پر غزل کہی، جس کا مطلع مجھے یاد ہے۔

نظاروں کے لیے ویرانہ جب آباد ہوتا ہے
جنوں میں اشتیاقِ دید بے بنیاد ہوتا ہے

پہلی نظم جو اسکول میں پڑھی گئی اور حضرت جگر مراد آبادی کی موجودگی میں سند و اعزاز دیا گیا، اس کے بھی ایک دو شعر یاد ہیں، ملاحظہ کریں، عنوان ”بسنت“۔

ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا، پہلی پہلی روشنی والا قمر
منتظر ہے جو کسی کی یاد میں تھامے جگر
اپنے بازو پھڑپھڑا کر فاختہ نے دی اذاں
ساری پھلیاں بھی مٹر کی جھک گئیں جیسے کماں

۱۹۶۹ء میں بلرام پور میں بھیانک سیلاب آیا، ہمارا مکان جو ۱۹۶۵ء میں ہی مکمل ہو چکا تھا، اس میں آنجہانی پنڈت جواہر لال نہرو کی مالیاتی امداد لگی ہوئی تھی، سبھدرا جوشی جن کو ۱۹۶۲ء میں بیکل صاحب نے الیکشن ایجنٹ کی حیثیت سے الیکشن لڑا کر شری اٹل بہاری واجپئی کو شکست دی تھی، انھیں کی سفارش پر پنڈت جی نے امدادی رقم بھجوائی تھی۔ اس سیلاب میں بیکل صاحب کی نادر کتابیں اور بیاضیں ضائع ہو گئیں، ابتدائی کلام کا اثاثہ تباہ و برباد ہو گیا۔ ۱۹۶۹ء کے بعد جتنا انھیں یاد تھا دوبارہ لکھا پھر کتابیں مرتب کیں۔

**طباعت واشاعت کا سلسلہ:**

۱۹۵۲ء میں ”وجے بگل“ (ہندی) قومی گیت و نظمیں۔

۱۹۵۳ء- بیکل رسیا (ہندی) لوک گیت۔

۱۹۵۶ء- ”نغمہ و ترنم“ مکتبہ پاسبان (گونڈہ، ..... پریس۔ اب یہ کتابیں نہیں ملتی ہیں)

۱۹۵۷ء- ”نشاطِ زندگی“ دائرہ شاہ اجمل، الہ آباد۔

۱۹۶۲ء- ”سرورِ جاوداں“ مکتبہ دین وادب لکھنؤ۔

”نور یزداں“ مجموعۂ نعت۔

۱۹۶۵ء- ”لہکے بگیا مہکے گیت“ (ہندی) گیتوں کا مجموعہ، لکھنؤ سے۔

۱۹۷۶ء- ”پروائیاں“ روایتی غزلوں کا مجموعہ۔

"کومل مکھڑے بکل گیت" گیتوں کا مجموعہ (تہذیب نو پبلی کیشنز، الہ آباد)

۱۹۷۷ء-اپنی دھرتی چاند کا درپن (قومی نظموں کا مجموعہ اردو) وی کے ملک، قرول باغ، نئی دہلی۔

۱۹۸۴ء-"غزل سانوری" نئی غزلوں کا مجموعہ (شاہد پرویز، بیسویں صدی، نئی دہلی)

۱۹۹۰ء "رنگ ہزاروں خوشبو ایک" قومی نظموں و گیتوں کا مجموعہ۔ (دہلی اردو اکادمی، دریاگنج، نئی دہلی)

۱۹۹۲ء-"مٹی ریت چٹان" (دوہے، قطعات، گیت، نظمیں وغیرہ) ہریانہ اردو اکیڈمی، چنڈی گڑھ، ہریانہ۔

"غزل گنگا" (ہندی رسم الخط، تازہ غزلوں کا مجموعہ)

"انجوری بھرا جور" (ہندی، قومی گیت، لوک گیت، دوہوں، کنڈلیوں پر مشتمل)

"والضحیٰ" نعتیہ کلام۔

نعتوں کے مختلف مجموعے جانے کن اداروں نے شائع کیے، وہ یہ ہیں۔ "نغمۂ بیکل، تحفۂ بطحا، توشۂ عقبیٰ، موجِ نسیم، جامِ گل، پیامِ رحمت، نوری برکھا، وغیرہ جو برصغیر میں ہر بک سیلر کے یہاں مل جاتے ہیں۔

## سیاسی وسرکاری کمیٹیوں میں نام زدگی:

۱۹۷۰ء-گورکھ پور یونیورسٹی کورٹ کا ممبر نام زد کیا گیا۔

۱۹۷۲ء-پوسٹ انڈی ٹیلیگراف ایڈوائزری کمیٹی اتر پردیش کا ممبر بنایایا۔

۱۹۷۴ء-آل انڈیا کانگریس کیمپین کمیٹی میں نیشنل رائٹرس فورم کا سکریٹری بنایا گیا۔

۱۹۷۵ء-ہائی پاور ایجوکیشن کمیٹی اتر پردیش کا ممبر نام زد کیا گیا۔

۱۹۸۰ء-اتر پردیش اردو اکادمی کا ممبر نامزد کیا گیا۔

۱۹۸۲ء-آل انڈیا قومی ایکتا کا سکریٹری نام زد کیا گیا۔

## سرکاری وسماجی خدمات:

۱۹۵۷ء-انوار القرآن عربک کالج کے نگراں کی حیثیت سے کام کیا۔

۱۹۵۹ء-آل انڈیا ہندی اردو سنگم قائم کیا، بانی اور صدر۔

۱۹۶۸ء-جگر میموریل انٹر کالج کی بنیاد ڈالی اور سرپرست رہے۔

۱۹۷۲ء-بال بھارتی مونٹیسری اکادمی بلرام پور، قائم کی، بانی وصدر۔

۱۹۷۲ء-مجلس شوریٰ جامعہ اشرفیہ مبارک پور، اعظم گڑھ بنائی اور جامعہ اشرفیہ مبارک پور کی بنیاد میں حصہ لیا۔

۱۹۷۷ء-نائب صدر آل انڈیا رائٹرس اینڈ جرنلسٹ فورم۔

## مرکزی سرکار کی طرف سے:

۱۹۸۶ء-ممبر راجیہ سبھا بنائے گئے اسٹیٹ سے۔

او قاف ترمیم دستور کمیٹی کے ممبر بنائے گئے۔

۱۹۸۷ء-این ای ریلوے کے زونل یوزرس کمیٹی کے ممبر بنے۔

۱۹۸۷ء-راشٹریہ کوی میتھلی شرن گپت کی تقریبات صدی کمیٹی میں ممبر بنائے گئے۔

مولانا آزاد تقریبات کمیٹی کے ممبر بنائے گئے۔

۱۹۸۸ء-آن رول راجیہ سبھا کمیٹی کے ممبر بنائے گئے۔

ریلوے صلاح کار سمیتی کے ممبر بنائے گئے

۱۹۸۹ء تا ۱۹۹۲ء-انفارمیشن اینڈ براڈ کاسٹنگ کمیٹی کے ممبر نام زد کیے گئے۔

## اعزازات:

۱۹۷۶ء-پدم شری کا اعزاز ملا۔

۱۹۸۶ء-راجیہ سبھا کا ممبر بنایا گیا۔

۱۹۵۵ء-پریسیڈنٹ آف انڈیا کے ہاتھوں راشٹریہ گیت ایوارڈ۔

۱۹۶۰ء-ہندی ساہتیہ سمیتی نے پورو انچل ایوارڈ دیا۔

۱۹۶۵ء-قومی گیت ایوارڈ۔

۱۹۷۴ء-محمد علی جوہر ایوارڈ یوپی اسمبلی سے

۱۹۷۵ء-شیلڈ آف آنر چیمسفورڈ کلب، نئی دہلی۔

۱۹۷۷ء-جگر ایوارڈ، یونم کلچرل سوسائٹی، کانپور۔

۱۹۷۹ء-وجے اسمتھ ایوارڈ، چتور گڑھ نگر پالیکا سے۔

۱۹۸۰ء-میرا ایوارڈ، میرا اکادمی لکھنؤ سے۔

۱۹۸۲ء گولڈ میڈل، نعت اکادمی، پاکستان، کراچی۔

شیلڈ آف حکومت پاکستان۔

۱۹۸۵ء-نیشنل انٹگریشن ایوارڈ، ستنا، مدھیہ پردیش۔

اور اسی طرح کے نہ جانے کتنے استقبالیے، سپاس نامے، اعزازات اور میڈلس ہیں جن کا طوالت کی وجہ سے ذکر کرنا مناسب نہیں۔

۱۹۸۸ء-پریسیڈنٹ آف انڈیا کے ہمراہ اسلام آباد صدر پاکستان کی تجہیز وتکفین میں شمولیت کی۔

۱۹۹۱ء-ورلڈ اردو کانفرنس میں ماریشس کا سفر محمد شفیع قریشی

گورنر بہار اور جاوید خاں وزیر مہاراشٹر نیز اردو کے عمائدین و مبصرین کے ساتھ کیا۔

۱۹۹۱ء- یوایس ایس آر رائٹرس کانفرنس میں ماسکو کا سفر کیا۔

ساتھ میں شنکر دیال شرما (ہندی)، سی نرائن (تیلگو) تھے، اس کے علاوہ کویت، دبئی، شارجہ، ابوظہبی، مسقط، قطر، گلف کے سبھی شہروں کے مشاعروں میں گاہے بگاہے شرکت رہی ہے۔

**خاندانی شجرہ:** بزرگوں سے معلوم ہوا اور واجب الارض میں گزیٹیر ڈسٹرکٹ گونڈہ سے پتہ چلا کہ ان کے جد امجد جناب ہاشم جمعیت خاں نے پاواگڑھ گجرات سے ہجرت کر کے ہمالہ کی ترائی میں آکر اپنی ریاست بنالی، بہلول لودھی و سکندر لودھی کے خاندان سے شجرہ ملتا ہے۔ مغلوں سے ٹکراؤ کی وجہ سے دلی سے گجرات اور پھر گجرات سے نیپال کی ترائی (اترپردیش) میں آباد ہوئے۔

خاندان میں جاگیر دارانہ، زمیندارانہ، رئیسانہ سپہ گری کا مزاج تھا، شعروشاعری سے کوئی لگاؤ نہ تھا۔

بیکلؔ صاحب کی والدہ بھی قبیلہ خلیل زئی سے تھیں، جو ایک بڑے جاگیر دار واجد علی خاں بہادر کی بیٹی تھیں۔ سات بھائی پیدا ہوئے جن میں چار انتقال کر چکے، اصغر علی، محمد صابر خاں، عبد السلام خاں، تنکنے خان، چھدنؔ خاں، محمد شفیع خاں بیکلؔ اور محمد رفیع خاں پردھان۔

بیٹے بیٹیاں۔ صفیہ خاتون سے:

(۱) اعجاز العزیز خان انجنؔ (شادی شدہ)

صغریٰ خانم سے: (۲) صالحہ پروین شبو (۳) یاسمین نو (۴) صوفیہ بلقیس ڈاکٹر (۵) سجاد العزیز خاں سجنؔ (۶) عارفہ نوشین مہرہ حمنیزہ۔

**بیرون ممالک کا سفر:** بیرون ممالک ۱۹۵۵ء ہی سے سفر کر رہے ہیں۔ پاکستان، بنگلہ دیش، نیپال کے مخصوص شہروں میں شعری وادبی مجالس میں شرکت کی۔

۱۹۶۷ء- اپنے ایک پیر و مرشد استاذ العلما حضرت حافظ ملت مولانا عبد العزیز شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ مبارک پور، اعظم گڑھ کی کفش برداری میں حج بیت اللہ کا شرف حاصل ہوا۔ یہ ہندوستان کے پہلے عظیم المرتبت بزرگ تھے جن کو دونوں حکومتوں نے بلا فوٹو حج کا سفر منظور کیا۔

۱۹۶۹ء- یوکے (انگلینڈ) غالب صدی کمیٹی کی دعوت پر لندن گئے، کچھ قلمی اور فلمی شخصیتیں تھیں جن میں کنور مہندر سنگھ بیدی، ہلال سیوہاروی، جمیلہ بانو، دلیپ کمار، اوم پرکاش، نرگس، وحیدہ رحمان، روی (میوزک ڈائرکٹر) وغیرہ۔ وہیں سے روم، فرانس، مغربی جرمنی، بغداد، کویت اور تاشقند گئے۔

۱۹۷۵ء- ورلڈ ہندی کنونشن میں نیشنل ڈیلی گیٹ کی حیثیت سے پورٹ لوئس، ماریشس گئے۔

۱۹۷۵ء- بزم ادب، ناٹال کی دعوت پر ڈربن (ساؤتھ افریقہ) گئے، جوہانس برگ، پریٹوریا، کیپ ٹاؤن، لیڈی اسمتھ، سوازی لینڈ، جزیرہ ریں یونین کا سفر رہا، لگ بھگ چار پانچ ماہ۔

۱۹۷۸ء- حج ڈیلی گیشن میں سعودی عربی، فضل الرحمٰن وزیر مملکت کے ساتھ۔

۱۹۸۰ء- اردو سوسائٹی امریکہ اینڈ کناڈا کی دعوت پر امریکہ، کناڈا کے سبھی بڑے شہروں کا دورہ کیا، ہندوستان سے سردار جعفری، اختر الایمان، کیفی اعظمی، عزیز قریشی، حسن کمال اور واجدہ تبسم وفد میں شامل تھے۔

۱۹۸۲ء- ورلڈ نعت کانفرنس میں ہندوستانی نمائندہ کی حیثیت سے کراچی، پاکستان گئے۔

۱۹۸۴ء- مسلم تھیالوجیکل کنونشن میں لندن، برنگھم، مانچسٹر، لیورپول اور بریڈفورڈ گئے۔

۱۹۸۶ء- انڈین حج ڈیلی گیشن میں فاروق عبد اللہ کے ساتھ سعودی عربیہ گئے۔

۱۹۸۷ء- پی وی نرسمہاراؤ کے ساتھ سنگاپور، ماریشس وفد میں گئے۔

۱۹۸۷ء وائس پریسیڈنٹ کے ساتھ ماریشس کی تقریب آزادی ملک میں شریک ہوئے۔

**عیب وہنر:** مزاج شاہانہ، طرز فقیرانہ، حسن سلوک جو اپنے بچوں کے ساتھ وہی غریب وامیر کے ساتھ، کبھی کسی چیز کی فرمائش نہیں، شروع ہی سے پوشاک میں سادگی پسند، کھانے پینے کے معاملے میں سادہ، پھل فروٹ کی چاہت زیادہ، ہر بات کو بڑی گمبھیرتا سے لینا، ہر ٹوٹی پھوٹی چیز کو خود درست کرنا، لان اور کھیت میں خود ہی لنگی بنیان میں کام کرنا، خوشبودار ہندوستانی پھولوں سے لگاؤ، ہر ایک کی مدد کر کے بھول جانا، غرور وتمکنت کی پرچھائیں تک نہیں، اپنے بڑے بزرگوں کا احترام، چھوٹوں کو تسلی دینا، خورد نوازی عادت بن گئی، بچوں کے ساتھ دیر تک رہنا۔

**عیب:** ادھر عرصہ سے بچوں میں رہ کر چپ چپ رہنا، مزاج میں چڑچڑاہٹ، ڈانٹنا پھٹکارنا روز کا کام، معاملات و مسائل سے فرار اختیار کرنا۔ ☆☆☆

یادیں

# بیکلؔ اتساہی کے ساتھ امریکہ میں کچھ لمحات

محمد قمر الحسن قادری قمرؔ بستوی

**۳؍ دسمبر ۲۰۱۶ء**/۳؍ ربیع الاول ۱۴۳۸ھ بروز ہفتہ اچانک یہ خبر ساعت پر بجلی بن کر گری کہ بیکلؔ اتساہی کا دہلی میں انتقال ہو گیا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

بچپن سے بیکلؔ صاحب کی نعتوں کی وجہ سے یک گونہ قلبی تعلق تھا۔ ۱۹۷۵ء وغیرہ کی دہائیوں میں بیکلؔ اور اجملؔ دو شاعروں کا طوطی بولتا تھا۔ ان کی چند ورقی کتابیں بھی عام طور پر دستیاب ہوجاتی تھیں اور مدارس اسلامیہ میں ان کی نعتوں کو حرزِ جان بنایا جاتا تھا۔ بیکلؔ صاحب اپنے ترنم کی وجہ سے بہت مقبول تھے۔ مذہبی جلسوں میں بیکلؔ صاحب کا پہنچنا جلسے کی کامیابی کی ضمانت ہوتا تھا۔ کلام کی تسہیل، لب ولہجہ کی نرمی اور ترنم کی موسیقیت سامعین کو اپنا گرویدہ کرلیتی تھی۔ اور جب وہ پوربی زبان یں نعتیہ گیت پڑھتے تو لگتا جیسے دلوں کی دھڑکنیں بھی خاموش ہوگئی ہوں۔

کونے کرنی ایسے تمری دوریا　　سیدنا ہمری لاج رکھو
سن ری پروا بیار　　اڑ جا سگرا کے پار
جہواں رہے لیں ہمارے سرکار　　نگریا جن کی نور بھری

جب تک ہندوستان میں تھا بیکلؔ صاحب کو سننے کا موقع کہیں نہ کہیں مل جاتا تھا۔ ۱۹۹۲ء میں امریکہ آنے کے بعد وطن مالوف سے یک گونہ تعلق منقطع ہو گیا اور دیارِ غیر میں یہاں کی ضرورتوں نے اپنے حصار میں لے لیا۔

**بیکلؔ صاحب ہوسٹن میں:** ستمبر ۱۹۹۳ء میں ایک روز یہ خبر موصول ہوئی کہ بیکلؔ صاحب ہوسٹن میں جلوہ فرما ہیں۔ پتہ لگایا تو معلوم ہوا کہ پرویزؔ جعفری صاحب کے یہاں قیام ہے۔ پرویز جعفری صاحب اردو کے مشہور ناقد وشاعر علی سردار جعفری کے بھتیجے ہیں۔ علی گیرین ہیں، اور بیکلؔ صاحب کے ہم وطن ہیں۔ علی سردار جعفری صاحب سے بیکلؔ کے بڑے گہرے مراسم تھے۔ چوں کہ دونوں بلرام پور کے تھے، اس لیے پرویز صاحب بیکلؔ کو چچا کہتے تھے۔ ہم اپنے بعض احباب کو لے کر بیکلؔ صاحب سے ملنے پرویز جعفری صاحب کے یہاں پہنچ گئے۔ جب انھوں نے یہ سنا کہ میں بستی کا ہوں تو اور بھی مسرت کا اظہار کیا۔ دیر تک گفتگو کا سلسلہ دراز رہا۔ ہم نے اپنے ادارے النور مسجد میں تشریف لانے کی دعوت دی، انھوں نے قبول کر لیا۔ اتفاق سے دوسرے یا تیسرے دن جمعہ تھا، اس میں وہ تشریف لائے۔ نماز کے بعد لوگوں کو بتایا گیا کہ ہندوستان کے مشہور شاعر بیکلؔ اتساہی ہمارے درمیان موجود ہیں۔ آپ حضرات تھوڑی دیر ٹھہریں۔ لوگ رک گئے۔ بیکلؔ صاحب سے نعتوں کی فرمائش کی گئی، انھوں نے دو یا تین نعتیں سنائیں اور معذرت کر لیا۔ یہ ربیع الآخر تھا۔ وہیں ان کو گیارہویں شریف کے پروگرام کی دعوت دی گئی، جس کو انھوں نے اس شرط پر قبول کیا کہ اگر شہر میں رہا تو ضرور حاضر ہوں گا۔

**گیارہویں شریف میں بیکلؔ صاحب کی شرکت:** مورخہ ۲۷؍ستمبر ۱۹۹۳ء/۱۱؍ ربیع الآخر ۱۴۱۴ھ بروز پیر، مغرب کی نماز کے بعد پروگرام شروع ہوا۔ تلاوت مولانا مسعود رضا کی جو کہ مفتی محمد ایوب رضوی شیخ الحدیث جامعہ نعیمیہ مراد آباد کے بڑے صاحب زادے ہیں، نے کی اور پھر مقامی لوگوں وحید اللہ قادری، سلمان جلالی، قدیر احمد قدیرؔ، قمرؔ بستوی وغیرہ نے بزم کو آگے بڑھایا۔ پھر بیکلؔ صاحب نے دل کھول کر اپنے کلام سے لوگوں کو محظوظ فرمایا۔ لوگوں کی فرمائشیں ہوتی رہیں اور وہ سناتے رہے۔ جب انھوں نے اپنی مشہور زمانہ نعت جس کو وہ بارگاہِ رسالت مآب ﷺ میں اپنے حج کے موقع پر نذر گزار چکے تھے پڑھی تو ایک عجیب کیفیت پیدا ہوگئی۔

ہمیں بھی یا رسول اللہ شعورِ زندگی دے دو
دلِ تاریک کو سرکار اپنی روشنی دے دو
حضوری میں یہی عرضِ تمنا لے کے آیا ہوں
ہمیشہ کے لیے سرکار اذنِ حاضری دے دو
زمانے بھر کے داتا اپنے شہزادوں کے صدقے میں
کوئی ٹکڑا ہی بیکلؔ کو بنامِ قادری دے دو

دیارِ غیر میں عشق وعرفان کا یہ لب ولہجہ لوگوں کو مسحور کر رہا تھا، اور سامعین پر کیف وطرب طاری تھا۔ بیکلؔ صاحب سناتے رہے،

لوگ سنتے رہے۔ لطف کی بات یہ تھی کہ لوگوں نے ان سے پوربی اور اودھی زبان کے نعتیہ کلام سننے کی فرمائش کی، حالاں کہ وہ ان زبانوں سے آشنا نہیں تھے، مگر بیکلؔ صاحب نے ان کی خواہشات کا احترام کیا، غالباً حکمت یہی تھی کہ ان سے رسولِ اکرم ﷺ کی مدح وثنا کی فرمائش کی گئی تھی، جس کو وہ کبھی بھی انکار نہ کرتے۔ بہرحال پروگرام ختم ہوا اور بیکلؔ صاحب روحوں کو تشنہ چھوڑ کر چلے گئے۔

وہ امریکہ بھر میں منعقد ہونے والے مشاعروں میں شرکت کے لیے آئے تھے، جو یہاں کی مقامی اور ادبی تنظیمیں منعقد کرتی ہیں، اس لیے ان کا قیام کوئی ڈیڑھ ماہ کا تھا۔ وہ مختلف صوبوں میں مشاعرے کرتے رہے۔ یہ بیکلؔ صاحب کا امرکہ میں ورود پہلی بار نہیں تھا، بلکہ اس سے قبل بھی وہ ۱۹۸۰ء اور ۱۹۸۴ء وغیرہ میں تشریف لا چکے تھے، لیکن اس بار ان کو مذہبی اقدار کی زینتوں کو بھی دیکھنے کا موقع ملا۔

**بیکلؔ صاحب کی بزرگوں سے عقیدت:** یہاں یہ واقعہ یاد آیا کہ گیارہویں شریف میں جب وہ محوِ نعت خوانی تھے، تو ان کو وہ لمبا رومال جو عموماً ان کے گلے میں لپٹا رہا کرتا تھا اور غالباً اُس کو اس کے پیر و مرشد حضور حافظِ ملت علیہ الرحمہ نے عطا فرمایا تھا، کچھ خلل انداز محسوس ہو رہا تھا، میں نے اس کو ان کے گلے سے اتار کر رکھ دیا۔ بیکلؔ صاحب نے پڑھنا بند کر دیا اور کچھ ناراضگی کے انداز میں کہنے لگے:

> ”یار! اس کو آپ نے اتار دیا، یہ میرے بزرگوں کا عطیہ ہے، اسی میں تو میرا سب کچھ ہے۔ اس کو اتار کر میرے پاس کیا رہ جائے گا، پھر اس کو اسی طرح گلے میں لپیٹ لیا اور پھر مصروف نعت خوانی ہو گئے۔“

یہ اپنے اسلافِ کبار سے ان کی نیازمندی کا جاگتا ثبوت تھا، یہی وجہ ہے کہ وہ جہاں بھی گئے اپنے مسلک و موقف سے کبھی انحراف نہیں کیا۔

پھر وہ پورے امریکہ میں مشاعرے پڑھتے رہے اور نومبر کے دوسرے عشرے میں ہوسٹن ان کی واپسی ہوئی تو مسجد النور کی طرف سے ان کو استقبالیہ دیا گیا۔

**مسجد النور میں بیکلؔ صاحب کو استقبالیہ:** ۱۲/ نومبر ۱۹۹۳ء / ۲۷/ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۴ھ بروز جمعہ بعد نمازِ عشا بیکلؔ صاحب کو ان کے شایانِ شان استقبالیہ دیا گیا۔ آج مہمانِ خصوصی محترم جیلانیؔ چاندپوری تھے۔ تلاوت قاری عبد القادر ملتانی کی تھی، نظامت پرویز جعفری کی اور صدر بزم جناب بیکلؔ اتساہی تھے، میں نے نعتیہ شاعری پر اپنا مقالہ پیش کیا جس میں یہ بیان کیا کہ:

> ”صنفِ نعت اصنافِ سخن میں انتہائی معزز اور پاکیزہ صنف ہے مگر اس کو وہ حق نہیں ملا جو ملنا چاہیے تھا، غزل، نظم، رباعی، قصیدہ، مرثیہ اور مثنوی کو داخلِ نصاب کیا گیا ہے مگر اردو نعت گوئی کو اس سے خارج رکھا گیا حالاں کہ میری نظر میں یہ سب سے زیادہ مقبول اور استعمال کی جانے والی صنف ہے، یہ اس کے ساتھ امتیازی سلوک ہے، ایسا نہیں ہونا چاہیے“ وغیرہ۔

میرے مقالے کے بعد بیکلؔ صاحب مائک پر تشریف لائے اور فرمایا:

> ”ابھی مولانا قمرؔ بستوی صاحب نے نعت کے حوالے سے اپنی تشویش کا اظہار کیا ہے کہ اصنافِ شعری سے ہر ایک کو داخلِ نصاب رکھا گیا ہے مگر اردو نعت گوئی کو اس کا نام نہیں ملا، میں ان کے گوش گذار کرنا چاہتا ہوں جس کو سن کر انھیں یقیناً مسرت ہوگی کہ ہندوستان میں ساگر یونیورسٹی مدھیہ پردیش میں نعت باقاعدہ داخلِ نصاب ہے اور سلیبس میں شامل ہے۔ اس میں محسنؔ کاکوروی، احسن مارہروی، اعلیٰ حضرت بریلوی، حسن رضا بریلوی وغیرہ کے ساتھ ہم جیسے طالب علم بھی شامل ہیں، اس کے علاوہ نعت پر وہاں پی ایچ ڈی بھی ہو رہی ہے۔“ وغیرہ۔

اور پھر دیر تک اردو شاعری اور قدیم و عصری شعرا نیز لب و لہجہ پر اپنے خیال کا اظہار فرمایا۔ پھر جیسے مکمل طور پر ذہنی طور سے تیار ہوں۔ کہنے لگے تحتِ لفظ پہلے چار مصرع ملاحظہ فرمائیے۔

میرے سینے میں خدا اپنی محبت رکھ دے
اپنے محبوب سے پھر دل میں عقیدت رکھ دے
پہلے آنکھوں میں تمنائے زیارت رکھ دے
پھر لبوں پر مرے قرآں کی تلاوت رکھ دے

پھر کہنے لگے، چار مصرے اور سنیے۔

علم کے ساتھ ہی توفیقِ عمل دے یارب
ذہن و ادراک میں انوارِ شریعت رکھ دے
جن کو اک آنکھ نہیں بھاتی ہے تعظیمِ رسول
مولا ان خالی کٹوروں میں بصیرت رکھ دے

ع: ”مولا ان خالی کٹوروں میں بصیرت رکھ دے“ پر تو

سامعین اتنا محظوظ ہوئے کہ ہر ایک کے ہونٹوں پر تبسم بھی تھا اور تڑپ بھی تھی۔ لوگوں نے آمین آمین بھی کہا۔ اِدھر آہستہ آہستہ ترنم کا موڈ بنا رہے تھے، مگر شاید تکان یا آب و ہوا کی تبدیلی کے باعث بن نہیں پا رہا تھا، شہر کے اور بھی شعرا موجود تھے، مگر مجمع کا اشتیاق صرف ترنم تھا، جس کو وہ اس سے قبل سن چکے تھے، بہر حال انھوں نے فرمایا کہ چار مصرعے اور سنیں، ترنم بنانے کی کوشش کر رہا ہوں مگر شاید آب و ہوا کا اثر ہے کہ بن نہیں پا رہا ہے۔ چناں چہ انھوں نے تحت اللفظ یہ چار مصرعے اور پڑھے، پھر ترنم سے پڑھنا شروع کیا۔

نبی کی نعت میں اسلوبِ انتخابی دے
الٰہی مجھ کو بھی اندازِ بو ترابی دے
ہے سامنے مرے الحاد کا درِ خیبر
یدِ اسد بھی عطا کر، نظر ترابی دے

پھر عشق و عرفان، بہجت و سرور اور عقیدے کی کامل پیروی کے ساتھ بیکلؔ صاحب نے یہ نعت پڑھی اور اپنے مسلک کا برملا اظہار کیا، نعت کیا ہے کہ نیاز مندی کا جیتا جاگتا البم۔

ہماری صبح زندہ ہے، ہماری شام زندہ ہے
ہمارے دل کی تختی پر نبی کا نام زندہ ہے
انھیں کے چاہنے سے ہم جہاں میں چاہے جاتے ہیں
غلامی ان کی مل جائے تو یہ انعام زندہ ہے
غلام اس کا ہوں جس کا سلسلہ ہے قادریت کا
وہ میرا پیر جس کا ہر قدم پر کام زندہ ہے

بیکلؔ صاحب وجد آفریں انداز میں پڑھ رہے تھے، خود بھی بیکل تھے اور سامعین کو بھی بیکل بنائے دے رہے تھے۔ سحر آگیں ترنم نے ایسا مست کر دیا تھا کہ ہر شخص کھویا ہوا تھا۔ آخری شعر جب انھوں نے پڑھا تو لوگ اس کو سمجھ نہیں سکے، کیوں کہ وہ بیکلؔ صاحب کی زندگی کا ایک روشن باب تھا، جس کو بتانے کی ضرورت تھی، پھر میں نے اس کی تشریح کی اور الجامعۃ الاشرفیہ و حضور حافظِ ملت علیہ الرحمۃ والرضوان کے تعلق سے جب بتایا تو سامعین کو کیف ملا۔ یہ تسلسل جاری رہا۔ کون تھا جو بیکلؔ صاحب کی ترنم ریزی پر صرف ایک نعت پر اکتفا کرتا، اس کے بعد انھوں نے مندرجہ ذیل نعت پاک کا نغمہ بکھیرا۔

نورِ توحید مکہ میں چمکا کہ بس کفر کے حوصلے سب ہوا ہو گئے
بحرِ ایماں میں موجیں اٹھیں نور کی، جتنے کشتی میں تھے، ناخدا ہو گئے
اُن کی توصیف و مدحت کا یہ فیض ہے، کائنات اک ہتھیلی سی لگنے لگی
زاویے ان کی چشمِ کرم کے پڑھے ایک نقطہ تھے ہم، دائرہ ہو گئے

اس شعر پر اہلِ علم نے انھیں بہت داد دی، کیوں کہ ریاضی کے ایک مسلمہ اصول کو انھوں نے بڑی سادگی اور برجستگی سے سمو دیا تھا۔ اس کے علاوہ مدحت مصطفیٰ ﷺ کی برکات و فیض کا برملا اعتراف تھا کہ ”کائنات اک ہتھیلی سی لگنے لگی“ مزید آگے پڑھیے۔

کوئی ترتیبِ نظمِ جہاں میں نہ تھی، کوئی تاثیر لفظ و بیاں میں نہ تھی
منتشر بے تعلق جو الفاظ تھے، اُن کے آتے ہی ہم قافیہ ہو گئے

اس شعر پر شعرا حضرات کو بڑا لطف آیا، پیامؔی مرادآبادی تو بڑی دیر تک سبحان اللہ، سبحان اللہ کی صدائیں بلند کرتے رہے کہ مصرعے میں شعری رنگت ڈھلی ہوئی تھی، پھر اپنے عقیدے کا اظہار کیا۔

داغِ سجدہ جبیں پر ہے ابھرا مگر، نورِ عشقِ نبی ہے نہیں قلب پر
ہم سے اچھے تو راہوں کے پتھر ہوئے سرورِ دیں کے جو نقشِ پا ہو گئے
سچ ہے سجدے بنامِ عبادت ملے، جو ملے سب نبی کی بدولت ملے
احترامِ نبوت میں بیکلؔ مگر، سارے سجدے علی کے ادا ہو گئے

اس نعت کے بعد انھوں نے صرف ایک اور نعت پڑھی، اس کے بعد معذرت کر لی۔ ادراکاتی پہلو کی یہ نعت لفظ و بیان کے روح و دل کو معطر بھی کر گئی۔

سخن میں کوچۂ خیر البشر مہکنے لگا
پڑھی جو نعت مِرا گھر کا گھر مہکنے لگا
بنامِ سرورِ کونین مانگ لی میں نے
مِری دعاؤں میں لطفِ اثر مہکنے لگا
میں پائے ناز کی ٹھوکر میں آگیا بیکلؔ
گلاب بن کے سرِ رہ گذر مہکنے لگا

مگر چلتے چلتے چند اور اشعار بھی ہدیۂ سامعین کر گئے جو ان کی سر مستی اور بیکلی کے پورے عکاس ہیں۔

نغمۂ نعتِ نبی میں عمر بھر گاتا پھروں
حشر تک یا رب اِسی مٹی میں لہراتا پھروں
مجھ کو تو ملتا ہے سب کچھ کوچۂ سرکار سے
سامنے اوروں کے میں کیوں ہاتھ پھیلاتا پھروں
مجھ کو کہہ دیں اپنا دیوانہ اگر سرکارِ دیں
ہوش مندوں کے نگر میں میں بھی اتراتا پھروں

بیکلؔ صاحب کے انھیں اشعار کے ساتھ مجلس کا اختتام ہوا۔ صلاۃ وسلام اور دعا کے بعد ادارہ کے ذمہ داروں نے ان کا شکریہ ادا کیا اور بیکلؔ صاحب تشریف لے گئے، مگر جب تک ہوسٹن میں قیام پذیر رہے، گھروں میں ان کی کئی نشستیں ہوئیں۔

**بعض گھریلو نشستیں:** چوں کہ النور صرف ایک مذہبی ادارہ ہے، اس لیے ادارے کو تشخص کو ملحوظ رکھتے ہوئے صرف نعت وحمد اور منقبت تک انھوں نے خود کو پابند رکھا مگر گھریلو نجی مجلسوں میں لوگوں نے ان کی ان تمام جہتوں کو بھی ملاحظہ کیا، سنا اور دیکھا، جس کی وجہ سے وہ ہمہ جہت جانے جاتے ہیں، انھوں نے اِن نجی مجلسوں میں غزل، گیت، نظم، ہائیکو وغیرہ سبھی سنایا۔

بیکلؔ صاحب نے اپنی ایک پہچان بنائی، وہ تھی مقامی زبان کو اردو شاعری میں جگہ دینا، جس میں وہ کامیاب رہے۔ ان کا کہنا تھا کہ ہندوستان میں ۸۰/ فیصد طبقہ گاؤں میں رہتا ہے، محنت مزدوری کرتا ہے، کھیتی باری کرتا ہے، اس کا اپنا تشخص ہے، اس کی اپنی زبان اور تہذیب ہے، ہماری اردو ۲۰/ فیصد طبقے کی ترجمانی کرتی ہے اور ۸۰/ فیصد کو نظرانداز کردیتی ہے۔ ایک مجلس میں فرمایا:

> "میں غالب اور اقبال کو زمینی شاعر نہیں مانتا۔ ان کی شاعری آسمانی شاعری ہے۔ آپ عربی وفارسی کی بوجھل تراکیب، گراں قدر الفاظ اپنی شاعری میں اگر استعمال کریں گے تو وہ اسی فیصد جو آپ کو سننے آیا ہے، وہ کیا لے کر جائیگا؟ اس کو اس کی زبان میں سنائیے تاکہ وہ کچھ سمجھ سکے۔ میری اسی بات پر میرے بھائی علی سردار جعفری سے بحث ہوتی ہے، اور میں ان کو اس بات پر قائل کر رہا ہوں کہ کسان، مزدور، دیہاتوں میں رہنے والے اِن لوگوں کو آپ کیا دے رہے ہیں؟"

یہی وجہ تھی کہ انھوں نے اپنی ایک الگ راہ نکالی، جس میں قوم کا عکس اور اس کا چہرہ جھلکتا تھا، غریب، کمزور، مزدور، کسان اور گاؤں میں بسنے والوں کی بیکلؔ موثر آواز بن گئے، ان کے گیتوں میں ان کا زمانہ کروٹیں لیتا ہے اور ان کی غزلوں میں ہندوستان کے ان اسی فیصد لوگوں کا درد جھلکتا ہے جو ملک کی ریڑھ کی ہڈی ہونے کے ساتھ ساتھ ان کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی۔ بیکلؔ صاحب ان کے حالات دیکھ کر خود زخم خوردہ تھے، انھوں نے ہوسٹن کی اِن نجی مجلسوں میں ان حقائق کا اُجاگر کیا۔ ایک غزل کے یہ اشعار انھوں نے سنائے۔

بیچ سڑک اک لاش پڑی تھی اور یہ لکھا تھا
بھوک میں زہریلی روٹی بھی میٹھی لگتی ہے
پل دو پل ہی ساون کی شہزادی اتری تھی
تب سے میرے کھیت کی مٹی سوندھی لگتی ہے
دور دیش سے لوٹ کے جب وہ اپنے گھر آیا
اب کھیا کی سرخ حویلی چھوٹی لگتی ہے

ایک تہذیبی اور ثقافتی تقابل کا یہ شعر ملاحظہ فرمائیے۔

لباس قیمتی رکھ کر بھی شہر ننگا ہے
ہمارے گاؤں میں موٹا مہین کچھ تو ہے

بہرحال بیکلؔ صاحب جب تک ہوسٹن میں قیام پذیر رہے، لوگوں نے ان کا بڑا اعزاز کیا اور انھوں نے بھی لوگوں کو اپنی شخصیت سے متاثر کیا، پھر وہ ہندوستان واپس ہوگئے۔ تقریباً ۲۳/ سال کی یادیں آج بھی دلوں کے نہاں خانوں میں محفوظ ہیں اور ان لہجوں کا زیروبم آج بھی کانوں میں رس گھول رہا ہے، اب وہ ہم میں نہیں ہیں، مگر ان کے کارناموں نے، ان کی ادبی سرگرمیوں نے، ان کے مذہبی جلسوں کی یادوں نے انھیں زندہ رکھا ہے۔ وہ شاعری برائے شاعری یا فن نہیں کرتے تھے، بلکہ وہ سماجی ارتقا، غربت و افلاس کے خلاف جنگ، ظلم و زیادتی سے محاذ آرائی کے لیے کرتے تھے، تاکہ ایوان بالا میں رہنے والوں کو بھی محسوس ہوسکے کہ جس ہندوستان کے ایوان میں رہتے ہیں اسی ہندوستان میں ایک وہ طبقہ بھی رہتا ہے جو اس کو یہاں تک پہنچاتا ہے، مگر خود بھوکا، ننگا اور پیاسا رہتا ہے۔

ان کی شاعری کے تنوعات پر مجھے اس وقت کلام نہیں کرنا ہے، وہ ایک الگ عنوان ہے۔ البتہ بعض بعض اشعار میں ایسے ادراکات پائے جاتے ہیں جو چونکا دینے والے ہوتے ہیں، جیسے یہ دو شعر ملاحظہ فرمائیے۔

اک مکاں اور بھی ہے شیش محل کے لوگو
جس میں دہلیز، نہ آنگن، نہ دریچے ہوں گے
تیرا دم ہے تو بہاروں کو سکوں ہے بیکلؔ
پھر ترے بعد کہاں باغ بغیچے ہوں گے

میں نہیں جانتا کہ یہ دونوں شعر ان کی فکر پر کیسے حاوی ہوئے جو آج ایک حقیقت بن کر ہمیں یقین دلا رہے ہیں۔ انھیں کلمات پر اپنا قلم روکتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ بیکلؔ صاحب کی مغفرت فرمائے اور عفو و درگذر سے انھیں نوازے اور برزخ و حشر میں ان کے لیے آسانیاں عطا فرمائے۔ آمین، بجاہ سید المرسلین ﷺ۔ ☆☆☆

یادیں

# حضرت بیکلؔ اتساہی کی چند رس بھری یادیں

ڈاکٹر یعقوب اختر

کچھ نقش تری یادوں کے باقی ہیں ابھی تک
دل بے سر و ساماں سہی، ویران نہیں ہے

۴؍ دسمبر کا انقلاب میرے سامنے ہے "بیکلؔ اتساہی" کا سانحۂ ارتحال سرِ فہرست ہے، یہ الم ناک، اندوہ ناک اور غم ناک خبر دیکھتے ہی دل میں ایک ہیجان برپا ہوگیا، روح مضطرب ہوگئی، نگاہوں میں ان کا جلوۂ جہاں آرا جگمگانے لگا۔ تصورات میں اس پیکرِ شفقت کا جاہ وجمال تیرنے لگا اور بے ساختہ ذوق کا یہ شعر زباں پر آگیا۔

رہتا سخن سے نام قیامت تلک ہے ذوق
اولاد سے تو بس یہی دو پشت چار پشت

وہ طوطیِ ہند ہمیشہ کے لیے خاموش ہوگیا، جس کی آواز کی گھن گرج نے چار دانگ عالم میں جادو جگا دیا تھا۔ وہ صرف نام ہی کے بیکلؔ نہیں تھے، بلکہ جس محفل میں گئے، سب کو بیکل کر دیا اور پوری دنیائے ادب ان کی جدائی سے بیکل ہے، وہ جتنی خاموشی سے رخصت ہوئے شور اتنا ہی زیادہ بپا ہے۔

اک ترے نہ ہونے سے حال ہے یہ دنیا کا
ہر طرف ہے سناٹا، ہر طرف ہے تنہائی

حضرت بیکلؔ اتساہی کا اصلی نام محمد شفیع خان ہے، مولد و مسکن اترولہ، بلرام پور (یوپی) ہے، لیکن نام کے بجائے قلمی نام سے ملک و بیرون ملک میں جانے جاتے رہے۔ اس قلمی نام میں بھی کئی موڑ آئے۔ ۱۹۴۵ء میں دیوہ شریف گئے تو سجادہ نشیں پیار میاں نے کہا: "بیدم گیا بیکلؔ آیا" تو آپ نے بے دم وارثی کی طرح اپنا نام بیکلؔ اتساہی رکھ لیا۔ ۱۹۵۲ء میں پنڈت جواہر لال نہرو کی قیادت میں کسان ریلی میں شرکت فرمائی اور اپنی نظم "بھارت کا کسان" پڑھی تو نہرو اس سے بہت متاثر ہوئے اور کہا "یہ ہمارا اتساہی شاعر ہے" بس کیا تھا، انھوں نے اتساہی کو اپنے نام کا حصہ بنا لیا اور بیکلؔ اتساہی کے نام سے جانے پہچانے جانے لگے، پھر حضور حافظِ ملت سے شرفِ بیعت حاصل کیا تو "عزیزی" کا اضافہ ہوگیا اور شاعرِ اشرفیہ کہلانے میں فخر محسوس کرنے لگے، خود فرماتے ہیں۔

شاعر میں اسی دربار کا ہوں، چاکر میں اسی دربار کا ہوں
میں بیکلؔ ہوں، اتساہی ہوں، اس در کا ایک سپاہی ہوں

حضرت بیکلؔ اتساہی بڑے خوش گلو، خوش بیان اور خوش فکر شاعر تھے، جب آپ اپنی لے میں نغمہ سرا ہوتے تو در و دیوار مستانہ وار جھومنے لگتے، مسکراہٹیں وجد کرنے لگتیں اور ذوقِ وجدان کی کائنات مست و سرشار ہو جاتی، کوثر و تسنیم میں ڈھلی زبان اس پر مسحور کن ترنم کی ہلکی ہلکی پھوار پوری محفل کی بہاریں لوٹ لے جاتی۔

آپ فطرتاً غزل اور گیت کے شاعر تھے، لیکن عشقِ رسول کی حرارتوں نے آپ کی فکری توانائیوں کو وہ روپ عطا کیا تھا، جس سے دُردانۂ تخیل کی حسین لڑیاں جھلملانے لگتیں اور انجمنیں مہک اٹھتیں۔ آپ کی شاعری کا ذخیرہ بہت بڑا ہے، اس میں مختلف رنگ، مختلف آہنگ، مختلف خوشبوئیں، لفظوں کا دل کش استعمال، تشبیہات و استعارات کی خوب صورت بہار، تلمیحات و تراکیب کا حسین اظہار، فکر وسیع کا بحرِ ذخّار اور اپنے وطنِ مالوف سے جنون کی حد تک پیار، جیسا کہ یہ مصرعہ، ع:

وضو کروں اجمیر میں کاشی میں اشنان

ان کے حسین خیالات کی غماز اور ہندوستانی روایات کی مشترکہ گنگا جمنی تہذیب کا پاکیزہ امتزاج پایا جاتا ہے۔ "بھارت کا کسان، پنگھٹ، ہندی دوہے، گہت، ہائیکو اور ماہیے وغیرہ اردو ادب کی عظیم یادگار تخلیقات میں ان تخلیقات کو سمجھنے کے لیے نئے اقدار اور نئے افکار کی ضرورت ہے۔

یہی اردو کے وہ پہلے شاعر تھے جن کو "پدم شری" ایوارڈ سے نوازا گیا، ورنہ آج تک کسی اردو شاعر کو یہ اعجاز حاصل نہیں۔ اتر پردیش کی حکومت نے "دیش بھارتی" اعزاز عطا کیا تو فخرالدین علی احمد میموریل کمیٹی نے انعامات سے نوازا۔ اردو اکیڈمیوں نے بے شمار اعلیٰ ایوارڈوں سے سرفراز کیا تو جمعیۃ العلما ہند کے زیر اہتمام اجمیر شریف میں منعقدہ

مشاعرہ میں "شاعروں کا تاج محل" کا خطاب دیا گیا، کسی نے صوفی منش شاعر کہا تو کسی نے شہنشاہِ غزل، کوئی کشورِ صحافت کا تاجدار تو کسی نے گیتوں اور دودھوں کا بادشاہ اور نہ جانے کیا کیا۔ کانگریس نے اپنے کوٹہ پر راجیہ سبھا کا ممبر بنایا۔ لیکن اتنی عظمت و رفعت اور اعزاز و اکرام کے باوجود زعمِ افتخار میں مبتلا نہیں ہوئے بلکہ ہمیشہ سادگی و پرکاری کے ساتھ اپنی تہذیب و ثقافت اور اسلامی شعار کے دامن سے وابستہ رہے اور بے دین شعرا کے ہجوم میں بھی اپنی کج کلاہی، منفرد طرز و ادا، سر پر ٹوپی اور مخصوص وضع قطع سے یہ ثابت کر دیا کہ ادب و تخلیق کی دنیا سے علم و ادب اور دین و مذہب کا کوئی تصادم نہیں ہے۔ شاید یہ بھی فیض تھا حضور حافظِ ملت کا جبھی تو خود فرماتے ہیں۔

میں مرید ہوں حافظِ ملت کا
پرچارک ہوں قادریت کا

یقیناً حضرت بیکلؔ "باغ فردوس کے ایسے معطر پھول تھے جو ہر ماحول میں بیلا و چمبیلی کی طرح مہکتے رہے اور زمانے کے بادِ مخالف نے اس گلِ رعنا کی نرم و نازک پتیوں کو مرجھانے کی تمام تر کوشش کی، لیکن یہ پتیاں آپ کی بے پناہ مصروفیت کے باوجود تر و تازہ اور ہری بھری رہیں، کسی نے سچ کہا ہے۔

دور تک پھیلی ہوئی ہے اس گلِ تر کی شمیم
جس کی خوشبو سے معطر کوچہ و بازار ہے

خوش مزاجی کا مجسمہ، حسنِ اخلاق کا پیکر، ان سے جو ملا زندگی بھر ان کا خطبہ پڑھتا رہا، شہرت و مقبولیت کی چوٹی سر کر لینے کے باوجود اتنا منکسر المزاج کی بتانا نہ پڑے کہ شاخ ثمر دار کسے کہتے ہیں، کریم النفس ایسے کہ جن ذروں میں چمک محسوس کی، ان ذروں کو آفتابِ عالم تاب بنانے کے لیے اپنے قیمتی مشورے، پیاری رائے اور زریں خیالات سے رہ نمائی و حوصلہ افزائی فرمائی، کس کس خوبی کا ذکر کیا جائے اور کس کس کمال کا چرچا۔

دامانِ نگہ تنگ و گلِ حسن تو بسیار
گل چین تو از تنگیِ داماں گلہ دارد

مختصر یہ کہ حضرت بیکلؔ اتساہی کی ذات ستودہ صفات قوم کی ضرورت، اہلِ سنت کی آبرو اور ملت کی آرزو تھی، بے شک اس سانحۂ ارتحال سے ہر شخص جگر فگار، ہر قلب بے قرار، ہر آنکھ اشک بار اور ہر انساں سوگوار ہے۔

سانحہ موت کا کتنا گمبھیر ہے
مضمحل چاند سورج کی تنویر ہے
خلقتیں ہو گئیں ساری ماتم کناں
ذرہ ذرہ بنا غم کی تصویر ہے

حضرت بیکلؔ اتساہی کیا گئے، شعور و آگہی کی بزم سونی ہو گئی، شعر و سخن کی انجمن اداس پڑ گئی، غزل کا سنہرا باب بند ہو گیا، ایک عہد کا خاتمہ ہو گیا اور قوم و ملت کو پر نہ ہونے والا خلا دے گیا۔


سہ ماہی "پیامِ برکات" (ہندی)

مارہرہ شریف

خانقاہِ برکاتیہ مارہرہ شریف ضلع ایٹہ (یو پی) سے مسلمانانِ اہلِ سنت کے ایمان و عقیدہ کو مضبوط کرنے، ان میں دینی و عصری تعلیم عام کرنے، عوام الناس کے دلوں میں اولیائے کرام، ، بزرگانِ دین اور معاشرے میں پھیلی ہوئی برائی کو ختم کرنے کے مقصد سے سہ ماہی "پیامِ برکات" کے نام سے ایک دینی و علمی رسالہ ہندی زبان (دیوناگری رسم الخط) میں شائع ہو رہا ہے۔ مضامین کے انتخاب میں اس بات کا خاص خیال رکھا گیا ہے کہ دین و سنیت کا پیغام آسان زبان اور سنجیدہ لب و لہجہ میں عوام تک پہنچے تاکہ انھیں پڑھنے اور سمجھنے میں دشواری پیش نہ آئے۔

اہلِ سنت و جماعت کے عوام و خواص سے گذارش ہے کہ وہ اس رسالے کی ممبری شپ قبول فرما کر دینی و مسلکی بیداری کا ثبوت دیں۔

قیمت فی شمارہ: ۲۵/ روپے

سالانہ ممبری فیس: ایک سو روپے

**خط و کتابت کا پتہ**

**سہ ماہی پیامِ برکات**

البرکات اسلامک اینڈ ٹریننگ انسٹی ٹیوٹ

جمال پور، ضلع علی گڑھ (یو پی)-202121

Email: payamebarkaat@gmail.com

فکر و نظر

# اہلِ سنت کے غیر مربوط علما و مشائخ
# اسباب اور حل

بزمِ دانش میں آپ ہر ماہ بدلتے حالات اور ابھرتے مسائل پر فکر و بصیرت سے لبریز نگارشات پڑھ رہے ہیں۔ ہم اربابِ قلم اور علمائے اسلام کو دعوت دیتے ہیں کہ وہ دیے گئے موضوعات پر اپنی گراں قدر اور جامع تحریریں ارسال فرمائیں۔ غیر معیاری اور تاخیر سے موصول ہونے والی تحریروں کی اشاعت سے ہم قبل از وقت معذرت خواہ ہیں۔ از: مبارک حسین مصباحی

فروری ۲۰۱۷ء کا عنوان — فتاویٰ حافظ ملت: ایک تاثراتی مطالعہ

مارچ ۲۰۱۷ء کا عنوان — ۲۰۱۷ء کے الیکشن پر نوٹ بندی کے اثرات، منفی یا مثبت

## اہلِ سنت کے علما و مشائخ، ماضی اور حال کی روشنی میں - ایک فکر انگیز جائزہ

از: مفتی محمد علی قاضی، مصباحی، جمالی، ایم اے mohamedali_saki@yahoo.co.in

**اہل سنت** کے غیر مربوط علما و مشائخ سے مراد اہل سنت کی قدیم و وسیع تعریف و تشریح کی روشنی میں میری ناقص بساطِ فکر و نظر کے تحت شمال میں علمائے فرنگی محلی لکھنؤ، علمائے بدایوں و علمائے دہلی اور دکن میں علمائے جامعہ نظامیہ حیدرآباد اور علمائے باقیات الصالحات ویلور ہیں۔ اسی طرح علمائے مدراس و علمائے کائل پٹنم بھی اہل سنت کے غیر مربوط علما و مشائخ میں شامل ہونا چاہیے۔ اگر علمائے اہل سنت کے شافعی مذہب کا دھڑا بھی اِس زمرۂ ائمۂ اہلِ ہدایت میں داخل کر لیا جائے تو پھر کیرالہ کے کئی مختلف مذہبی گروہ اہل سنت کے ساتھ مربوط ہو سکتے ہیں۔

اہل سنت کے غیر مربوط علما و مشائخ کے عنوان سے اول نظر میں یہ بات مفہوم ہوتی ہے کہ اہل سنت تو ہے مگر جماعت نہیں ہے اس لیے جملہ منقسم و منتشر، بعید و دور افتادہ اور غیر متعلق و غیر مانوس اکائیوں کو جوڑیے تاکہ اہل سنت کے علما و مشائخ یَوۡمَ نَدۡعُوۡا كُلَّ اُنَاسٍۢ بِاِمَامِهِمۡ (الاسراء ۱۷ آیت ۷۱) کے شایانِ شان منصب پر فائز ہو کر، كُنۡتُمۡ خَيۡرَ اُمَّةٍ اُخۡرِجَتۡ لِلنَّاسِ تَاۡمُرُوۡنَ بِالۡمَعۡرُوۡفِ وَتَنۡهَوۡنَ عَنِ الۡمُنۡكَرِ (آل عمران ۳ آیت ۱۱۰) کی عظمت رفتہ کو پا کر، وَاعۡتَصِمُوۡا بِحَبۡلِ اللّٰهِ جَمِيۡعًا وَّلَا تَفَرَّقُوۡا (آل عمران ۳ آیت ۱۰۳) کا گلدستہ خوش رنگ و مجموعۂ ہمہ اوصاف بن کر، فَاَلَّفَ بَيۡنَ قُلُوۡبِكُمۡ فَاَصۡبَحۡتُمۡ بِنِعۡمَتِهٖۤ اِخۡوَانًا (آل عمران ۳ آیت ۱۰۳) کا عکسِ جمیل اور وَالَّذِيۡنَ اتَّبَعُوۡهُمۡ بِاِحۡسَانٍ (التوبہ ۹ آیت ۱۰۰) کا منظم و غیر منقطع اور مسلسل و متواتر کاروانِ خیر و سعادت اور ممبر و محرابِ رشد و ہدایت ہو جائیں۔ اور اس طرح ایک متحد و مربوط اور مستحکم و مضبوط اہل سنت و جماعت کہلائیں۔

اہل سنت کے غیر مربوط علما و مشائخ کا ایک صاف مطلب یہ بھی ہوا کہ کچھ علماء و مشائخ پہلے ہی سے کسی نکتۂ نظر کے تحت مربوط ہیں یا مربوط ہو چکے ہیں اور کچھ مربوط ہونے سے رہ گئے ہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ وہ اہل سنت کے مربوط علما و مشائخ کون ہیں؟ کن اغراض و مقاصد کے تحت وہ مربوط ہوئے ہیں؟ وہ خطوط کیا ہیں کہ جن پر چل کر وہ مربوط ہوئے ہیں اور ان کا مرکز و مقامِ رابطہ کیا ہے؟ اِن تفصیلات کی پہلے وضاحت ضروری ہے تاکہ جماعتِ مربوطین اور گروہِ غیر مربوطین و غیر متعلقین میں ربط و ضبط پیدا کرنا آسان ہو جائے، غیر مربوطین کے دلوں میں اہل سنت کے نام پر اعتماد بحال کرنا ممکن ہو جائے اور بے ربط و ضبط علما و مشائخ کو قریب کرنے یا اُن سے قربت بڑھانے میں ایک موثر پیش قدمی ہو۔ ویسے ہمارا ملک بہت بڑا ہے اتنا بڑا ہے کہ اکثر ہندستانیوں کو ہندستان کی جغرافیائی وسعت اور ہمہ جہت ترقی کی عظمت کا صحیح صحیح اندازہ نہیں ہے جس طرح

ملک کے اکثر مسلمانوں کو ہمارے ملک کے بے شمار علاقوں، شہروں اور قصبوں میں صدیوں سے ان گنت زبانوں، تہذیبوں اور الگ الگ پس منظر میں رہنے بسنے والے لاکھوں کروڑوں مسلمانوں کی خبر نہیں ہے۔ یہاں تو صوبائی سطح پر رابطہ ہو نہیں پاتا، اب ملکی پیمانے پر سارے یا اکثر علما ومشائخ اہل سنت کو وہ بھی خالص بنام اہل سنت مربوط کرنا، انھیں نبھانا اور انہیں جوڑ کر رکھنا ناممکن نہیں تو عملاً بے حد دشوار تحریک ہے۔ ہندستان میں پچاسوں مراکز رابطہ ہیں اور ہر ایک مرکز کے اہداف واغراض رابطہ، افکار و نظریات رابطہ اور معیار واطوار رابطہ سب قطعاً جدا جدا ہیں۔ اس لیے اولاً یہ طے کیا جائے کہ کن بنیادوں پر علما ومشائخ کو مربوط کیا جائے گا؟ کیا درگاہ حضرت خواجہ غریب نواز کے نام پر، کیا درگاہ حضرت محبوب الٰہی کے نام پر، کیا درگاہ حضرت مخدوم اشرف کے نام پر، کیا آستانہ مارہرہ شریف کے نام پر، کیا آستانہ بریلی شریف کے نام پر، کیا دارالعلوم منظر اسلام کے نام پر، کیا الجامعۃ الاشرفیہ کے نام پر، کیا جامعہ نظامیہ وباقیات الصالحات کے نام پر، کیا مسلک اعلیٰ حضرت کے نام پر، کیا جماعت رضائے مصطفیٰ کے نام پر، کیا علامہ ازہری صاحب کے نام پر، کیا آستانوں کے نام پر، کیا مراکز افتا وقضا کے نام پر، کیا بلاد وشخصیات اور تنظیمات وجمعیات کے نام پر یا خالص اہل سنت وجماعت کے نام پر؟ اس لیے کہ کوئی بریلی شریف کو مرکز بتا رہا ہے تو کوئی اجمیر شریف کو مرکز کہہ رہا ہے۔ اسی طرح چند مخلصین کا خیال ہے کہ درسگاہ الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور کو اہل سنت کی شیرازہ بندی میں مرکزی رول ادا کرنا چاہئے جب کہ جذبات سے مغلوب اور عقیدت سے مملو حضرات کا نعرہ ہے کہ درسگاہ منظر اسلام و درسگاہ جامعۃ الرضا وغیرہا کو مرکز مان لیا جائے۔

بعض تشدد مزاج اور غیر سنجیدہ افراد صبح وشام اس کوشش میں بھی لگے ہیں کہ دو تین شخصیتوں ہی کو پورا اسلام اور پوری سنی جماعت قرار دے دیا جائے۔ اس کے برعکس اگر ہم دیوبندی مکتب فکر کی بات کریں تو ان کے مربوط ہونے کا یہ عالم ہے کہ ان کے افکار ونظریات کی مرکزی تعلیم وتدریس دیوبند میں ہوتی ہے، اشاعت وتبلیغ ملکی وعالمی سطح پر تبلیغی جماعت کے حصے میں آئی ہے جب کہ تنظیم وتشکیل امت کی باگ وڈور جمعیۃ علمائے ہند، آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ اور آل انڈیا ملی کونسل کے ہاتھ میں ہے۔ اُن کے یہاں اغراض واہداف رابطہ واتحاد، افکار ونظریات رابطہ واتحاد اور مقام ومرکز رابطہ واتحاد، مربوط کو مزید مضبوط ومربوط اور غیر مربوط کو مربوط کرنے کی تدبیر مخلصانہ، جہد مسلسل وعمل پیہم سب طے ہے۔ اس لیے ان کے علما سب پر اثر انداز بھی ہیں اور سب اُن کے علما سے متاثر ہو کر اُن کے ساتھ مربوط بھی ہو رہے ہیں۔ ملک میں کسی بھی صوبے، یا اُس صوبے کے کسی بھی ضلع، یا اُس ضلع کے کسی بھی تحصیل اور اس تحصیل کے کسی بھی گاؤں میں کوئی ایسا دیوبندی مولوی نظر نہیں آتا ہے کہ جو اپنے مرکز سے جوڑا ہوا مربوط نہ ہو۔ اور دوسری جانب افراد ملت کو مربوط کرنے ہی کے لیے دیوبند نے اجمیر شریف میں چادر چڑھائی۔ اب آپ چاہیں تو اسے ڈھونگ کہہ کر نظر انداز کر دیں یا اُس واقعے سے کوئی سبق لیں مگر یاد رکھیں! عامۃ الناس وعامۃ المسلمین آپ ہی کو نظر انداز کر دیں گے لیکن انہیں ملت کو مربوط کرنے کی مخلصانہ سعی کا سرٹیفکیٹ ضرور دیں گے (یہ ہمارا مشاہدہ ہے عقیدہ نہیں، غلط بھی ہو سکتا ہے اس سے اتفاق کرنا ضروری نہیں ہے)۔ ہمارا خیال ہے کہ ملک بھر میں علما ومشائخ اہل سنت کو مربوط کرنے کے لیے اغراض ومقاصد خالص اہل سنت ہوں، علما ومشائخ کو متحد ومربوط ہونے کے لیے حدود وقیود عقیدۂ اہل سنت ہو، انہیں ہمیشہ متحد ومربوط ہو کر ساتھ رہنے اور ساتھ چلنے کے خطوط وطرق حضرات خلفائے راشدین، انصار ومہاجرین، جملہ صحابہ وتابعین، ائمہ مجتہدین، علمائے ربانیین، کربلائے مقدس، نجف اشرف، بغداد شریف، اجمیر و کلیر شریف، آستانہ حضرت محبوب الٰہی، آستانہ کچھوچھہ شریف، آستانہ حضرت بندہ نواز، حضرت مجدد الف ثانی، حضرت شیخ عبدا لحق محدث دہلوی، حضرت فقیہ عصر امام احمد رضا فاضل بریلوی وغیرہم اور جملہ دیگر شمال وجنوب کے اکابر مشائخ طریقت، اولیائے امت واکابر علمائے اہل سنت کے افکار ونظریات اور اُن کی ہدایات وتعلیمات ہوں۔ اور ہم سب کا اور سارے عالم کے اہل سنت کا مرکز ایمان وعقیدت صرف ایک شہر مقدس ہو اور وہ بلاشبہ مدینہ ہے (جیسا کہ مکہ مکرمہ بلد امین یعنی مرکز اسلام وقرآن ہے اسی طرح مدینہ منورہ بلد مبین یعنی مرکز روح اسلام وصاحب قرآن ہے)۔ تب کہیں جا کر اہل سنت کے غیر مربوط علما ومشائخ وَالصّٰفّٰتِ صَفًّا (الصافات ۳۷ آیت ۱) کا مظہر بن سکتے ہیں۔ اور یہ بات ہماری نظر سے اوجھل نہ ہو جائے کہ کسی بھی تنظیم وتحریک اور جماعت وانجمن کو متحد ومربوط ہونے کے لیے اُس کے افراد وارکان میں فکر ونظر کا اتحاد وارتباط موجود ہونا ضروری ہے۔ ورنہ دل ملے نہ ملے ہاتھ ملاتے چلیے والی صورتحال ہوگی۔ اس لیے سردست ہم یہاں پر بعض فکرمند علمائے اہل سنت کے چند ایسے افکار وآرا ذکر کیے دیتے ہیں کہ وہ ہماری اِس تحریک ربط واتحاد کے لیے رہنما اصول ثابت ہو سکتے ہیں۔ اور اہل سنت

کے غیر مربوط علماو مشائخ کو ایک خط استوا پر لانے میں ہماری مدد کر سکتے ہیں ۔انشاءاللہ تعالیٰ۔

(الف)اہل قبلہ کی تکفیر! اہل قبلہ کو یعنی وہ لوگ جو نماز قبلہ رو ہو کر ادا کرتے ہیں اور کتاب وسنت پر ایمان رکھتے ہوں اور خدا اور اس کے رسول کی وحدانیت ورسالت کی شہادت کا اقرار کرتے ہوں ، کافر نہیں کہنا چاہیے۔اگر چہ ان کے بعض کلمات سے کفر بھی لازم آئے۔لیکن ایسے کفریہ کلمات پر تواتر سے اقرار کرنے والے کو ضرور کافر کہنا پڑے گا جہاں تک ہو سکے مسلمانوں کے ایسے کلمات کی توجیہ وتوضیح ہمیشہ اچھے الفاظ میں کرنا چاہیے۔اور تکفیر وتغلیظ کو وظیفہ نہیں بنانا چاہئے۔حدیث شریف میں آیا ہے کہ جو شخص دوسرے کو کافر کہتا ہے اگر وہ نفس الامر میں کافر نہ ہوگا تو کافر کہنے والا یقینی طور پر کافر ہو جائے گا۔اور لعنت کا حکم بھی یہی ہے۔اگر وہ لعنت کا مستحق نہیں تو بولنے والا ضرور لعنتی ہوگا۔چنانچہ تکفیر اور لعنت ملامت سے جہاں تک ہو سکے احتیاط کرنا ضروری ہے(ایمان کامل تصنیف شیخ عبدالحق محدث دہلوی تعلیقات وحواشی امام احمد رضا علیہما الرحمہ)۔

(ب)-فروعی عقائد میں اختلاف! اصول عقائد میں کسی کی تقلید جائز نہیں ہاں بعض فروعی عقائد میں تقلید ہو سکتی ہے اسی بنا پر خود اہل سنت میں دوگروہ ہیں ۔ ماتریدیہ کہ حضرت امام ابو منصور ماتریدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے تابع ہیں اور اشاعرہ کہ حضرت امام شیخ ابوالحسن رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے تابع ہیں اور یہ دونوں جماعتیں اہل سنت ہی کی ہیں اور دونوں حق پر ہیں آپس میں بس بعض فروع کا اختلاف ہے۔ان کا اختلاف حنفی شافعی کا سا ہے کہ دونوں اہل حق ہیں، کوئی کسی کو گمراہ یا بدمذہب بلکہ فاسق وفاجر بھی نہیں کہہ سکتا(ہمارا اسلام از مفتی محمد خلیل خان قادری برکاتی)۔

(ج)لعن وطعن! حقیقت یہ ہے کہ علمائے اہل سنت کی عادت ہے کہ وہ لعن وطعن سے کنارہ کشی کرتے ہیں اَلْمُوْءِ مِنُ لَیْسَ بِلَعَّانٍ لعنت تو کسی شخص کے لیے زیبا نہیں خواہ وہ کافر ہی کیوں نہ ہو ۔کیا معلوم کہ عاقبت کار ایمان وسعادت کی دولت لیکر گیا ہو۔مگر جس شخص کی موت یقین سے معلوم ہو کہ کفر پر ہوئی ہے اسے کافر کہا جا سکتا ہے(ایمان کامل از رئیس المحدثین شیخ عبدالحق دہلوی ص ۱۷۷)۔

(د)شخصی تکفیر! فقہا اور متکلّمین نے ایک طرف اقوال کفریہ اور اعمال کفریہ کی فہرست بتائی تو دوسری طرف یہ طے کر لیا کہ جب تک ان کے قائلین کے بارے میں پوری تحقیق وتفتیش نہ کر لی جائے ان اقوال واعمال کی بنیاد پر شخصی تکفیر نہ کی جائے گی کیونکہ کسی شخص سے کسی کفری قول وعمل کا صدور ہونا چیزے دیگر ہے اور راس شخص کا کافر ہونا چیزے دیگر (وَعَصٰی آدَمُ رَبَّہٗ۔طٰہٰ آیت ۱۲۱) آدم سے رب کی معصیت ہوئی مگر آدم کو ہم عاصی نہیں کہیں گے کیوں کہ دوسری آیت میں یہ صراحت کے ساتھ موجود ہے(فَنَسِیَ وَلَمْ نَجِدْ لَہٗ عَزْماً۔طٰہٰ۔آیت ۱۱۵)آدم بھول گئے تھے ان کے اندر معصیت کا ارادہ نہیں تھا۔متکلّمین نے مسئلہ تکفیر کو یہ کہہ کر اور مشکل کر دیا کہ اگر ایک قول میں ننانوے پہلو کفر کے ہوں اور ایک پہلو ،ضعیف سے ضعیف، نحیف سے نحیف، خواہ دوسرے امام کے مسلک پر ہی کیوں نہ ہو، ایمان کا ہو، تو قائل کی تکفیر نہیں کی جائے گی۔متکلّمین نے یہ رویہ دراصل اس لیے اپنایا اور تکفیر کو اس لیے مشکل کیا کہ اگر وہ ایسا نہ کرتے تو پھر آج دنیا میں کوئی مسلمان ہی نہ ہوتا، ہر شخص دوسرے کے نزدیک کافر ہوتا (تکفیر کے اصول واحکام فتاوی رضویہ کے حوالے سے از مولانا ذیشان احمد مصباحی ماہنامہ جام نور نومبر ۲۰۱۵)۔

مذکورہ بالا بیانات کی روشنی میں یہ بات خوب خوب صاف ہو جاتی ہے کہ علماو مشائخ اہل سنت کو مربوط ہونے کے لیے اولاً انہیں منفی طرز فکر اور منفی انداز عمل ( Negative thought and Negative approach)سے سختی سے پرہیز کرنا ہوگا جب کہیں جاکر راہ ربط وضبط ،سبیلِ الفت ومحبت اور صراط وَاعْتَصِمُوْا وَرَابِطُوْا ہموار ہوگی۔

**فکر رابطہ واتحاد**! بغداد واجمیر نے، دہلی وکلیر نے، مارہرہ وبدایوں نے، کچھوچھہ وبریلی نے اور گلبرگہ وبیجاپور نے غرض سب نے مدینہ والے آقا تاجدار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہی کے مشن کو آگے بڑھایا ہے اور سب نے اہل سنت ہی کا کام کیا ہے لہٰذا ان کے ماننے والے سب سنی ہیں جو ان کے حق میں طعن کرے، ان کے عقیدے کو نشانہ بنائے اور کسی مسئلہ میں اختلاف کو لے کر انہیں معتوب کرے ہرگز وہ کوئی سنی صحیح العقیدہ نہیں ہو سکتا بلکہ بلاشبہ وہ شر کلی ہے، سنیوں کو اپنے مفاد کے لیے ہلاکت کی راہ پر ڈال رہا ہے اور خود ہدایت کئے جانے کے لائق ہے۔

**نکتہ ء رابطہ واتحاد!**

بندۂ پروردگارم امت احمد نبی
دوست دارم چار یار تابع اولاد علی
مذہب حنفیہ دارم ملت حضرت خلیل
خاک پائے غوث اعظم زیر سایہ ہر ولی

ہمارا نعرہ! لہٰذا ہمارا نعرہ ہوگا کہ حضراتِ امام حسین وامام اعظم،

غوث پاک وغریب نواز، خواجہ نظام الدین اولیا و خواجہ بندہ نواز، مجدد الف ثانی ومخدوم سمنانی، شیخ عبد الحق وفضل حق، علامہ عبد العلیم فرنگی محلی و سید شاہ آل رسول مارہروی، امام احمد رضا بریلوی و شاہ انوار اللہ فاروقی حیدرآبادی و دیگر اکابر ائمہ اہل سنت و اولیاے امت (رضی اللہ عنہم) کے ماننے والے الحمد للہ سب کے سب خالص مسلمانانِ اہل سنت ہیں اس لیے ہم سب ایک ہیں۔

ہماری کوشش کیا ہو؟ کیا آپ نے کبھی اِس طرف توجہ دیا ہے کہ بنام اہل سنت ہمارے ادارے، ہماری مسجدیں، ہماری خانقاہیں اور ہماری تحریکیں تو خوب خوب متحرک وفعال نظر آتی ہیں مگر اجتماعی طور پر خود جماعت اہل سنت خفتہ ومنجمد اور خاموش وغیر متحرک ہے۔ اخلاص عمل کا یہ پیمانہ کہاں تک درست ہے؟ اس سلسلے میں ہم سے کہیں زیادہ آپ مخلصین ومحبینِ اہل سنت سوچ سکتے ہیں!

لہٰذا ہماری آپ سے مخلصانہ ومودبانہ گزارش ہے کہ اپنی اپنی تنظیموں، تحریکوں اور عقیدت مندوں کے حلقوں کو مضبوط ومستحکم کرنے سے پہلے اور اپنے اپنے مقتداؤں اور پیشواؤں کو اجاگر کرنے کی جدوجہد سے قبل وسیع النظر ہو کر بنام اہل سنت وبراے اہل سنت تحفظ اہل سنت کی فکر کیجیے اور جماعت اہل سنت کو جوڑیے ورنہ اِن اکائیوں اور چھوٹی چھوٹی یونٹس (units) سے آپ کا جتنا زیادہ فائدہ ہوسکتا ہے اُسی قدر بلکہ اس سے کہیں زیادہ صوبے اور ملک میں جماعتِ اہل سنت کا نقصان ہوگا پھر نہ آپ رہیں گے اور نہ جماعت کا وقار و وزن رہے گا۔

افسوس صد افسوس کہ آج جہاں پوری امت مسلمہ عالمی سطح پر، ملکی سطح پر اور صوبائی وشہری سطح پر طرح طرح کے اختلافات وتنازعات کی شکار ہے وہیں مسلمانانِ اہل سنت بھی جماعتِ اہل سنت کے پاکیزہ ووسیع، قدیم وعظیم، مربوط ومتواتر اور متحدہ ومتوارثہ اجتماعی تصور سے یکسر بے نیاز اور شاہراہ اہل سنت وجماعت سے قطعی مستغنی ہو کر چند شخصیات کے نام پر ہر کوچہ وبازار میں سر پھٹول کرتے نظر آرہے ہیں۔

علماے اہل سنت! اسلام صراط مستقیم کا نام ہے جس پر صحابہ وتابعین، اہل بیت وائمہ ءمجتہدین، اسلاف وصالحین اور ہر دور کے مومنات ومومنین چلتے رہے ہیں۔ اسی کو اہل سنت وجماعت کی شاہراہ بھی کہا جاتا ہے۔ مگر افسوس کہ چند نادان دوستوں نے اس عظیم شاہراہ کی عالمی وسعتوں کو بھلا دیا اور اسلام وایمان کی صحت کو صرف چند شخصیات سے منسوب کر رکھا ہے۔ یعنی شاہراہِ اہل سنت کو رفتہ رفتہ تنگ وباریک کرتے کرتے اُسے گلی کوچوں میں مقید ومحدود بنا دیا ہے۔

اب تو صرف دو ایک بندوں کے اقوال وہدایات کو تسلیم کر لینے ہی کو یہ دین وایمان بتا رہے ہیں اور اسی کو خدا کی جنت میں داخلے کی سند قرار دے رہے ہیں۔ اللہ ورسول (جلّ وعلیٰ و صلی اللہ علیہ وسلم)، صحابہ واہل بیت، امام حسین وامام اعظم، غوث اعظم وغریب نواز ودیگر اکابر فقہا وائمہ اسلام واولیاے امت کو ماننے والا مختصراً یہ کہ عقائد ونظریاتِ اہل سنت اور اعمال ومعمولاتِ اہل سنت کو صدیوں سے جان مان کر اُن پر چلنے والا بھی اب اِن کی نگاہ میں سنی مسلمان نہ رہا۔ گویا ملک کی ساری روحانی خانقاہیں، جملہ سنی جامعات ومدارس، سنی مساجد کے ائمہ اور سنی علما وسادات، سنی تنظیمیں وسنی تحریکیں اور عامۃ المسلمین غرض سب کے سب اِن کی نظر میں یا تو غیر سنی ہیں یا پھر ان کا عقیدہ غیر خالص ہے۔ جسے یہ سنی بتائیں وہ سنی ہے ورنہ وہ صلح کلی ہو کر خارج از اسلام وباغی اہل سنت کی فہرست میں شامل ہونے کے لائق ہے۔ اَلْعِیَاذُ بِاللّٰہِ مِنْ ذَالِکَ۔ سوچیے کہ یہ عہد حاضر کا کتنا بڑا فتنہ ہے اور جماعت اہل سنت کے لیے کتنا عظیم المیہ ہے! بات بات پر فتوے کا غیر ضروری وغلط استعمال اور ہر چھوٹے بڑے مسئلے پر علما وسادات اور مقتدایانِ دینی ومشائخِ روحانی کے خلاف اشتہار بازی کرنا لوگوں نے روز بروز کا معمول بنا لیا ہے۔ تنگ نظر وکوتاہ علم، نادان وناتجربہ کار اور مفاد پرست وشکم پرور مقررین نے تو شرانگیزی وفتنہ پروری میں حد کر دی ہے۔ بعض بعض مقررین کی گفتگو اس قدر سنگین وجارحانہ اور اس قدر شرعی وقانونی اعتبار سے قابل گرفت ہے کہ اگر ان پر ملک کی کسی عدالت میں قانونی مقدمہ داغا جائے تو وہ دوبارہ کبھی ہماری بستیوں میں قدم رکھنے کی جرأت نہ کریں۔ اِن ہی افسوسناک حالات ووجوہات کی بنا پر جہاں ایک جانب سنی عوام وخواص کے مابین ہر بستی میں سخت دینی واخلاقی خلجان اور ہر شہر کے مذہبی حلقوں میں علانیہ جنگ ہوتی نظر آرہی ہے تو وہیں دوسری جانب مذہب اہل سنت کی حقیقت و اصلیت، اُس کی عظمت ووسعت، اُس کی شان وشوکت اور اُس کی پہچان ومعرفت دن بدن عوام وخواص کے لیے مشکل وپیچیدہ ہوتی جارہی ہے۔ گویا اہل حق خود اہل حق کہلانے والوں کی نظر میں مشکوک ومعتوب ہوتے جارہے ہیں۔ ذرا غور کیجیے کہ مسلمانانِ اہل سنت کے لیے اس سے بڑھ کر ستم ظریفی اب اور کیا ہو سکتی ہے؟ ایک دور وہ تھا کہ کہ ہم جان کی بازی لگا کر غیر اہل سنت سے نبرد آزما ہو جاتے تھے اور آج

یہ حال ہے کہ ہم خود ہی ایک دوسرے کی عزت وآبرو اور ایک دوسرے کی جان وایمان کے دشمن بن گئے ہیں۔ اَلْاَمَانُ وَالْحَفِیْظُ!

لہٰذا اے محترم ومحتشم علما وسادات! اب یہ خاموشی کا وقت نہ رہا بلکہ اہل سنت کو صحیح ڈھنگ سے اجاگر کرنے، مسلمانان اہل سنت کو ان شدت پسندوں کی فکری بے راہ روی سے بچانے، سب سنیوں کو جوڑنے اور جملہ اہل سنت کے لوگوں کو ساتھ لے کر چلنے کا وقت ہے۔ اس لیے جاگیے اور اٹھیے۔ دل سے دل کو جوڑ کر اور ہاتھ سے ہاتھ ملا کر آگے بڑھیے۔ اللہ تعالیٰ کو خبیر وبصیر، ہمارے آقا مدنی تاجدار ﷺ کو حاضر وناظر جان مان کر اور حضرت غوث پاک وحضرت غریب نواز رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہما کو اپنا حامی وناصر سمجھ کر سب سنیوں کو جوڑنے کی عظیم تحریک میں جڑ جائیے۔ یاد رکھیے! کہ یہ آواز نہ صرف ہماری ہے بلکہ ہر طرف یہی آواز ہے کہ سب کو قریب کیا جائے اور سب سنیوں کو مذہب حق اہل سنت وجماعت کے نام پر آپس میں ملایا جائے۔ یقین رکھیے کہ انشاء اللہ تعالیٰ مستقبل قریب میں علما ومشائخ اہل سنت کو مربوط اور عوام اہل سنت کو متحد کرنے میں ہم ضرور ضرور کامیاب ہوں گے۔

**درخواست!** الجامعۃ الاشرفیہ ملک کی مشہور خانقاہوں، ممتاز دینی درسگاہوں، شمال وجنوب کے معروف اسلامی وروحانی، علمی وقلمی متحرک وفعال، مخلص وفکر مند اور وقت ووعدے کے پابند علما ومشائخ اہل سنت کو ایک نکاتی پروگرام کے تحت جمع کرے۔ ان کو مربوط رکھنے کے لیے ایک پراکٹیکل لائحہ عمل بھی تیار کرلے۔ پھر اس کی دعوت، اس کے انتظام اور اس کے انعقاد پر جو مالی خرچ آئے چند مخیرین کے حوالے کرے۔ آنیوالے دنوں میں انشاء اللہ تعالیٰ الجامعۃ الاشرفیہ ملک میں علما ومشائخ اہل سنت کی سرپرستی کے ساتھ خود اُن کی شیرازہ بندی کا امام ہوگا اور پوری ملت وجماعت اہل سنت الجامعۃ الاشرفیہ کی تکبیر اولیٰ پر مقتدی بن کر آمین آمین کی صدائیں بلند کرے گی۔

نگہ بلند، سخن دلنواز، جاں پرسوز
یہی ہے رخت سفر میر کارواں کے لیے

# غیر مربوط علما ومشائخ کی ملاقاتوں کے چند طریقے

**از: جاوید احمد عنبر مصباحی، پورٹ بلیئر، جزائر انڈمان نکوبار۔** ambermisbahi@gmail.com

**ہندوستان** میں خانقاہوں اور اہل علم کی تاریخ کافی پرانی ہے، درجنوں خانقاہیں ایسی ہیں جن کی تاریخ سات آٹھ صدیوں پر محیط ہیں۔ اور ان کے کارناموں کی ایک لمبی فہرست ہے۔ ان کے علاوہ بھی سینکڑوں خانقاہیں ہیں جن کی وجہ سے ان کے علاقوں اور خطوں میں اسلام کی تبلیغ واشاعت کا کام ہوا، اور حق یہ ہے کہ برصغیر میں جتنے مسلمان ہیں تقریبا وہ سب انہی اہل نظر خانقاہوں کی کرامت ہیں۔ مگر آج ان خانقاہوں میں بیٹھے اکثر سجادہ نشینوں اور ولی عہدوں کی فکر 'پدرم سلطان بود' کی ہے، وہ ہماری طرف ہاتھ بڑھانے سے پہلے صدیوں پہ محیط اپنی خانقاہی تاریخ اور اس کی عظمت پر نگاہ ڈالتے ہیں؛ پُر شکوہ اور شاندار ماضی نے ان کے دل میں یہ احساس پیدا کردیا ہے کہ ہم ہی تو ہیں جن کی وجہ سے یہاں کلمہ گو نظر آتے ہیں، ہمارے ارد گرد رہنے بسنے والے تمام مسلمانوں کی گردنیں ہمارے احسان کے بوجھ تلے دبی ہیں، پھر ہم کیوں دوسروں کی طرف (باہمی تعاون کے لیے) دست بڑھانے کی زحمت کریں، رہی سہی کسر ان کی علم دوری نے پوری کردی، دو تین صدیوں سے ان خانقاہوں میں سینہ بہ سینہ علوم وفنون کی منتقلی ہوئی یا نہیں مگر مسند اور گدی کی منتقلی برابر اپنی اولاد کی طرف ہوتی رہی۔ ایسے ہی خانقاہیوں پر اقبال ہمیشہ نوحہ خوانی کرتے رہے۔ دوسری طرف کچھ غلطیاں ہم سے بھی ہوئیں کہ ہم نے سنیت کی سندیں بانٹنا شروع کردیں، ہم نے انھیں ہی اپنا مانا جن کے نام کے آگے پیچھے برکاتی، اشرفی، رضوی، قادری چشتی وغیرہ چند محدود لاحقے دیکھے یا جو ہمارے رابطے میں رہے۔ یہ حق ہے کہ یہ لاحقے اس زمانے میں ایمان وعقیدے کی سلامتی کا بڑا ذریعہ ہیں، مگر سنیت انہی لاحقوں میں منحصر ہے یہ حق نہیں ہے۔ بہت سی خانقاہیں ایسی ہیں جہاں ہمارے علما نے یہ غلطی کی کہ ان خانقاہوں کے اسٹیج سے کی جانے والی اپنی تقریروں میں صاحب مزار بزرگ سے زیادہ تذکرہ اس انداز میں متاخرین بزرگوں کا کیا کہ ان کے کارناموں کے سامنے ان اہل خانقاہ کو سبکی محسوس ہوئی، ان سب وجوہ نے بھی ان خانقاہوں کو ہم سے دور کرنے میں کافی اہم

رول نبھایا ہے۔ ہماری اس غفلت کا فائدہ دیوبندیوں خاص طور پر ابو الحسن ندوی نے کافی اٹھایا، اس نے جاہل خانقاہوں کے بزرگوں کی تعریف وتوصیف سے کام لے کر انھیں خود سے جوڑ لیا اور عرس ونیاز کے ٹھیکہ داروں کو بھی دیوبندیت زدہ کر دیا، اور آج حال یہ ہے کہ ہندوستان کی سب سے متحرک وفعال خانقاہوں میں سے ایک خانقاہ رحمانیہ دیوبندیوں کی جھولی میں ہے، جس کے سپوت مولوی ولی رحمانی مسلم پرسنل لا بورڈ کے جنرل سکریٹری اور امارت شرعیہ بہار جھارکھنڈ اڑیسہ کے چیف قاضی بھی ہیں، اور شاید یہ اکلوتی ایسی خانقاہ جو مسلم بچوں کے لیے آئی اے ایس کوچنگ سینٹر چلاتی ہے۔

ہمارا تجزیہ یہ ہے کہ ماضی قریب میں ہم سے تاریخی غلطیاں ہوئی ہیں، ہمارے عوام وخواص ارباب بست وکشا نے زمینی کاروائی سے زیادہ جلسے وجلوس اور کانفرنسوں پہ توجہ مبذول کی، یہی وجہ ہے کہ علامہ ارشد القادری علیہ الرحمہ کے بعض خطوط کا تیور اپنوں کے لیے بھی تھوڑا الگ نظر آتا ہے۔ دور دراز کی ریاستوں اور علاقوں میں دیوبندی ہم سے پہلے پہنچے اور ہماری انٹری سے پہلے ہی انھوں نے ہمارا منفی تعارف عوام کے گوش گذار کر دیا۔ خود علامہ فضل حق خیر آبادی کی آخری آرام گاہ جزیرہ انڈمان میں دیوبندی ۱۹۶۲ء میں اور ہم سنی اس کے ۴۹/ سال بعد ۲۰۱۱ء میں تبلیغ دین کے لیے وارد ہوئے، جبکہ بریلویت اور امام احمد رضا کا منفی تذکرہ پچھلے تیس پینتیس سالوں سے جاری ہے۔ شدھی تحریک کے خلاف اٹھنے والی ہماری تحریک جماعت رضائے مصطفی، تبلیغی جماعت سے زیادہ پرانی ہے اور زیادہ کارگر بھی ہوتی اگر ہم نے تبلیغی جماعت کے دور آغاز میں ہی اسے دوبارہ متحرک کر دیا ہوتا، خیر اب بھی وقت ہے مگر مشکلات بڑھ گئی ہیں کہ پہلے بزرگوں کی عقیدت میں ڈھلے سادے اور ہموار کاغذ پر لکھنا تھا اور اب پراگندہ تحریروں کو مٹا کر لکھنا ہوگا۔

پچھلی ایک ڈیڑھ صدی کا تجزیہ یہ کہتا ہے کہ ہم اپنے سے دور خانقاہوں کے مزاج میں اس وقت تک تبدیلی نہیں لا سکتے ہیں جب تک ہم خود انھیں اپنے میں مخلوط کرنے کے لیے ان کے در پر حاضری نہ دیں، اپنا وقار (خود ساختہ نہیں) گروی رکھے بغیر انھیں مصلحت پسندی کے ساتھ خود سے قریب کریں۔ ہماری ذمہ داری کل بھی تھی اور آج بھی ہے کہ ہم ان کے بزرگوں کے اوپر بھی کام کریں، ان کے زریں ماضی کے روشن نقوش کو نسل نو کے سامنے پیش کریں بلکہ خود انھیں ان کے تابندہ ماضی کا احساس دلا کر ان کی حس کو زندہ کریں، ان پر اپنی مرضی یا اپنی مرکز عقیدت شخصیات کو نہ تھوپیں بلکہ حکمت بالغہ سے کام لیں، ان بزرگوں کا ہماری مرکز عقیدت شخصیات سے علمی وروحانی رشتہ استوار کرائیں، ان کے آپسی علمی تعلق کو واضح کریں، اعلیٰ حضرت اور ان جیسے بزرگوں اور ان خانقاہوں کے بزرگوں کی تحریروں میں یکسانیت ومماثلت کی تلاش ہو، اعلیٰ حضرت اور فلاں بزرگ کا عقیدہ، اعلیٰ حضرت فلاں بزرگ کے معتقد، فلاں بزرگ کی کرامات اور اعلیٰ حضرت کی تحریریں، خانقاہ قادریہ بدایوں اور خطۂ دکن، مارہرہ مطہرہ کے فلاں خانقاہ سے روابط، بلگرام شریف کا فلاں بزرگ کو خلافت، خانقاہ اشرفیہ اور کشمیر وغیرہ اس طرح کے تحقیق طلب عناوین پر کام کرنے کی ضرورت ہے۔ اللہ جل شانہ نے اعلیٰ حضرت کے نام میں ایسی برکتیں رکھی ہیں کہ جو لے لے وہ سونے کا سکہ بن کر رائج الوقت ہو جاتا ہے۔ اعلیٰ حضرت اور دیگر بزرگوں کی ذات پر اس طرح کے سینکڑوں کام اور کیے جا سکتے ہیں جن سے اپنے معاشی فائدہ کے علاوہ ملت کا بھی مفاد وابستہ ہے اور پیام رضا کو دور دور تک پہنچنے میں مدد ملے۔ اس طرح کے کاموں کی ایک مثال ہمارے سامنے ہے، ہماری معلومات کے مطابق حضور مخدوم اشرف سمنانی اور محسن اعظم کشمیر شاہ ہمدان علیہما الرحمۃ والرضوان دونوں ایک ہی دور کے بزرگ ہیں اور شاید دونوں میں ملاقات وزیارت بھی ہو چکی ہے، اس طرح کے عناوین کو موضوع بنا کر مخاطب عوام کشمیریوں کے درمیان معروف (شاہ ہمدان) کے ذریعے مجہول (مخدوم اشرف) کی عقیدت وتعلیمات کو عام کرنا اور ان سے اپنے روابط کو فروغ دینا۔ اس طرح کی ذمہ داریاں عام سنی علما اور خاص ان لوگوں پر عائد ہوتی ہیں جو حسب نسب بیان کرنے اور اس سے استفادے میں پیش پیش رہتے ہیں۔ ہماری نظر میں قابل تعریف ہیں مولانا کاشف رضا شاد مصباحی جنھوں نے خانقاہ سراجیہ جنیدیہ گلبرگہ کے ولی عہد ڈاکٹر افضل الدین جنیدی صاحب کو اپنے پی ایچ ڈی مقالے 'اردو شاعری میں تصوف کے اثرات' میں اعلیٰ حضرت کی شاعری پر بھی تحقیق کرنے پر آمادہ کیا، اس اقدام سے ان کے اندر مطالعۂ رضویات کا تجسس پیدا کیا اور پھر وہ دن بھی ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ جب پی ایچ ڈی مکمل

ہونے پر دار العلوم رضاے مصطفیٰ گلبرگہ میں انھیں استقبالیہ دیا گیا، اس میں مولانا شاد مصباحی نے جم کر اعلیٰ حضرت کی تعریف کی، اور خانقاہ جنیدیہ کے بزرگوں سے بیس تیس گنا زیادہ مرتبہ اعلیٰ حضرت کا نام لیا، مگر چونکہ اس وقت جنیدی خود اعلیٰ حضرت کے معتقدین میں پوری طرح شامل ہو چکے تھے، اس لیے ان کے ماتھے پہ گہری شکنیں نمودار نہیں ہوئیں۔

اور رہی بات ہم سے غیر مخلوط علما کی تو اس کے لیے بھی کچھ حد تک ہم اور ہماری روش ذمہ دار ہے اور معمولی حد تک وہ غیر مخلوط علما بھی۔ ہمارے علاقوں سے اٹھنے والے ارتدادی فتنوں کی آگہی ان تک پہنچانا ہماری ذمہ داری ہے، لیکن ہر جگہ دیابنہ وہابیہ ہم سے پہلے رابطہ بنا لیتے ہیں۔ ہمارے ایک عزیز مولانا توصیف رضا علیمی ویشالوی کے ایک روسی دوست ہیں جو اہل سنت و جماعت کے ہیں، سیاحتی ویزا پر علم حدیث کی تعلیم کے لیے وہ دیوبند آنا چاہ رہے تھے، انھوں نے اس کی وجہ پوچھی تو جواب ملا کہ انٹرنیٹ سے انھیں معلوم ہوا کہ یہ بہت بڑا مدرسہ ہے اور وہاں حدیث کی تعلیم بہت اچھی ہے۔ علیمی صاحب نے اکابر دیوبند کے متعلق کچھ ان کے گوش گذار کیا؛ اس طرح کی ایک نہیں ہزاروں مثالیں ہیں، پچھلے سال پردہ فرمانے والے ملاباری عالم دین ایم اے عبد القادر مُسلیار رحمہ اللہ تعالیٰ بانی جامعہ سعدیہ کیرلا بھی نے انجانے میں دیوبند سے فراغت حاصل کی مگر جب حقیقت حال کا احساس ہوا تو اپنی سند حدیث کو متّصل بنانے کے لیے شمالی ہند کے علما سے سند حدیث حاصل کی؛ اشتہار اور پبلسٹی سے دوری کا سبب ہماری شان بے نیازی ہو یا دور اندیشی کی کمی، مگر بہر حال نقصان تو اسلام کا ہوا کہ ہزاروں اور لاکھوں نہیں بلکہ دنیا بھر میں کروڑوں مسلمان کا ایمان نجد کے مذبح پر دم توڑتا ہوا نظر آ رہا ہے۔ کل بھی جب موبائل اور الکٹرانک میڈیا کا دور نہیں تھا ہم کافی پیچھے تھے اور آج بھی ہم اسی سست روی کے شکار ہیں۔ صحیح کہا جائے تو ہم نے آج بھی انفارمیشن ٹکنالوجی کی حقیقت اور اس کے فوائد کو نہیں سمجھا ہے یا تجاہل عارفانہ سے کام لے رہے ہیں، اور دونوں ہی چیزیں نیابت نبوی کی شان کے خلاف ہیں۔ خود آج سے دو سال قبل اشرفیہ کو جو تجویزیں ہم نے دی تھیں ابھی تک وہ تشنۂ جواب و نفاذ ہیں۔ اگر ہماری ان تجاویز یا ان جیسی تجاویز کو زیر عمل لایا جائے تو آج بھی انقلاب ہمارے انتظار میں ہے۔

عرس رضوی، عرس قاسمی اور عرس عزیزی وغیرہ بڑے موقعوں پر ایک دو بار ان غیر مخلوط علما و مشائخ کو عرس کمیٹی کے خرچ پر بلایا جائے، انھیں زبردست استقبالیہ دیا جائے، اپنے مدارس کا معائنہ کرایا جائے، ہر انسان تعریف اور عزت کا بھوکا ہوتا ہے ان سے تاثراتی تحریریں لی جائیں؛ بلکہ ہم کہیں تو کم از کم نصف درجن افراد کی ایسی ٹیم ہو جن کی ذمہ داری یہی ہو کہ وہ انٹرنیٹ اور جدید ذرائع کا استعمال کر کے اہل سنت کے مدارس اور متوفی و باحیات سنی علما و مشائخ کی خوب تشہیر کریں اور ان کی خدمات کو عربی اردو اور انگریزی زبانوں میں مختلف ویب سائٹس پر اپلوڈ کریں اور کروائیں، سنی تنظیموں اور ویب سائٹس کا بھی خوب پرچار کریں۔ ساتھ ہی دیابنہ وہابیہ کے کفریہ عقائد کو بھی کم از کم تینوں زبانوں میں زیادہ سے زیادہ سائٹوں پر اپلوڈ کریں اور کروائیں۔ اور ہم سے غیر مخلوط سنی علما و مشائخ (اگر چہ ان کا دیابنہ وہابیہ سے اختلاط ہو مگر یہ ہمیں یقین سے معلوم نہ ہو کہ وہ ان کے کفر پر مطلع ہونے کے باوجود ان سے اختلاط رکھتے ہیں) سے رابطہ بنانے اور انھیں سنی علما و مشائخ کے رابطے میں لانے کی کوشش کریں۔ عالم عرب کے مکتبوں سے ہماری عربی کتابوں کی اشاعت کا انتظام کیا جائے؛ گمنامی کی خواہش پہلے ہی بہت نقصان کر چکی ہے اس لیے ہر کتاب پر صاحب تصنیف کا مختصر سوانحی خاکہ بھی ضرور ہو۔ ذمہ دار خانقاہیں اپنے ولی عہدوں کو دینی و عصری دونوں علوم و فنون میں ماہر بنائیں اور ہر خانقاہ اپنے ایک شہزادے کو رابطہ سازی کے لیے دنیا بھر کی سیاحت پر رکھے، اور خانقاہ کے شہزادے اسلام کی اشاعت کے لیے سیاح بنیں، اپنی خانقاہ کے لیے نہیں۔ علاقوں کی دینی خواندگی و جہالت کی بنیاد پر وہاں سے آنے والے طلبہ کو داخلہ ٹیسٹ میں پانچ دس نمبر کی رعایت دی جائے۔ ابتدائی پھل بھلے ہی کم میٹھے ہو سکتے ہیں، مگر ان شاء اللہ وہی ان دور دراز علاقوں میں ہماری تشہیر اور رابطے کا ذریعہ ہوں گے۔ اور یہ سارے ذرائع صرف ہندوستانی علما و مشائخ کو ہی جوڑنے کے لیے نہیں بلکہ عالم اسلام کی تقریباً ہر بڑی خانقاہ اور مدارس کو جوڑنے کا کام کیا جائے، اور شاید آج کے دور میں یہ کوئی مشکل کام نہیں ہے، دس سے پندرہ سال میں اس منزل کو حاصل کیا جا سکتا ہے۔

☆...☆...☆

# نقد و نظر

| | | |
|---|---|---|
| کتاب | : | کلیاتِ بیکلؔ اتساہی |
| شاعر | : | پدم شری بیکلؔ اتساہی |
| مرتب | : | فاروق ارگلی |
| صفحات | : | ۱۱۰۶ قیمت: ۵۰۰ |
| ناشر | : | فرید بک ڈپو، پرائیویٹ لمٹیڈ، نئی دہلی |
| تبصرہ نگار | : | مبارک حسین مصباحی |

**پیشِ نظر** "کلیاتِ بیکلؔ اتساہی" کثیر منظوم کتب کا ایک انتہائی خوب صورت انتخاب ہے۔ اسی کے ساتھ یہ بھی ایک سچائی ہے کہ بیکلؔ اتساہی کا بہت سا اہم کلام اس میں آنے سے رہ گیا ہے۔ خیر یہ مرتب و ناشر کی ترجیحات کا معاملہ ہے۔ خیر اب پھر کوئی بندۂ خدا اس جانب توجہ فرمائے گا اور ایک اور باقی ماندہ کلیات بیکلؔ اتساہی منظرِ عام پر آجائے گا، ان شاء اللہ تعالیٰ۔

ابتدائی طور پر بیکلؔ اتساہی نے جناب مولانا کلیم الدین صدیقی موہانی پرشین ٹیچر ایل سی کالج سے مشورہ لیا اور کچھ دنوں حضرت جگرؔ مرادآبادی کی فیض صحبت سے مستفیض ہوئے۔ ہاں نعت گوئی میں امام احمد رضا محدث بریلوی کے شہرہ آفاق مجموعۂ کلام "حدائق بخشش" کو اپنا استاد اور رہنما بنایا۔

پہلے آپ تخلص استعمال نہیں فرماتے تھے، آپ کے خاندان کے چند لوگ حضرت وارث پاک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خانقاہ دیوہ شریف کے ایک مرشد گرامی سے وابستہ تھے، ایک دفعہ آپ بھی گئے۔ مزار شریف میں ایک وارثی مجذوب ملے، انھوں نے آپ کی جانب بڑی توجہ دی اور فرمانے لگے، بیدلؔ گیا اب بیکلؔ آگیا۔ اس کے بعد آپ نے بیکلؔ کو اپنا تخلص بنا لیا۔ ابتدا میں آپ نعت و منقبت کے علاوہ غزل اور گیت وغیرہ لکھتے تھے۔ علامہ مشتاق احمد نظامی لکھتے ہیں۔

> "۱۹۵۴ء میں جب بیکلؔ جیل کی مشقت جھیل رہے تھے وہیں زندگی نے ایک نئی کروٹ لی اور یکایک ذہن و فکر کی ساری طاقت ہر طرف سے سمٹ کر گنبدِ خضرا کی طرف متوجہ ہوگئی اور وہیں سے نعت گوئی کا آغاز ہوا۔ دھیرے دھیرے یہ رنگ اتنا غالب آیا کہ اب پورا ملک انھیں ایک نعت گو شاعر کی حیثیت سے جانتا پہچانتا ہے۔ باوجودیکہ وہ بیک وقت نعت شریف کے علاوہ اردو، ہندی، اودھی، برج بھاشا اور پوربی زبان میں غزلیں نظمیں کہتے ہیں۔" (والضحیٰ، ص:۱۵،۱۶)

کلیاتِ بیکلؔ اتساہی میں حمد باری تعالیٰ، مناجات، نعتیں، دوہے، ماہیے، مناقبت، غزلیں، قطعات، دوہے، گیت، بچوں کی پھلواری وغیرہ ہیں۔ ان تمام شعری صنفوں پر بعد میں کچھ گفتگو کریں گے، سرِ دست ہم بیان کرتے ہیں "فن اور شخصیت" کے حوالے سے۔ اس موضوع پر ص:۴۳ سے ص:۱۵۷ تک شخصیت شناسی کے تعلق سے متعدد اہلِ قلم کی تحریریں ہیں۔ ان کی فہرست حسب ذیل ہے۔

صغریٰ بیگم خانم — ورق ورق زندگی
فراقؔ گورکھپوری — بیکلؔ اتساہی: فن امیجری کے پہلے شاعر
علی سردار جعفری — بیکلؔ کی نظم نما گیتوں کی تکنیک
پروفیسر گوپی چند نارنگ — بیکلؔ اتساہی اور گیت کی عوامی روایت
ڈاکٹر ظ۔ انصاری — بیکلؔ اتساہی کے گیت کا آمیزہ
رفعت سروش — بیکلؔ اتساہی: گیت کا اندازِ ترنم
ڈاکٹر بشیر بدر — بیکلؔ اتساہی کے گیت کی پہچان
مبارک حسین مصباحی — بیکلؔ اتساہی اپنے مرشد کی بارگاہ میں
نظام صدیقی — بیکلؔ اتساہی نئے عہد کی نوغزلیہ اور نوغنائیہ تخلیقات کا علم بردار
عزیزؔ الہ آبادی — یادوں کی کہکشاں

ان علمی اور ادبی تاثرات پر گفتگو کسی قلم کار کے لیے چھوڑتے ہیں، سرِ دست ہم معروف شاعر فراق گورکھپوری کے تاثرات سے کچھ نقل کرتے ہیں۔ آپ لکھتے ہیں:

> "بیکلؔ کے وہاں جن الفاظ کا تصرف ہے اس میں علامات کی بہتات کم اور خیال کا بہاؤ زیادہ ہے۔ ان کے فکر و فن میں کچھ اس طرح کی وابستگی ہے کہ کلام میں ہندی اور اردو کے حسین سنگم سے یک جہتی کا رنگ پھوٹ نکلا ہے۔" (ص:۶۰،۶۱)

آپ نے اس کے بعد اختصار سے ان کے فنی امتیازات پر گفتگو فرمائی اور اس کے بعد لکھتے ہیں:

"اس لحاظ سے یہ پہلے شاعر ہیں کہ جس نے
فنِ امیجری کو صحیح اور پر معنیٰ صرف کیا ہے۔ ابہام کو
ایک نئی جہت سے روشناس کیا۔ فرسودہ طلسم کو توڑ دیا۔
تمثیلی اعجاز کا حسین راستہ تراشا، موسیقیت اور جمالیاتی
پہلوؤں پر توجہ دی۔ اگر ان کا کلام رہ گزارِ شاداب
کہا جائے تو ان کے گیت اور غزلیں رہ گزارِ حیات میں
منزلِ نو کے امین بن سکتے ہیں۔"

میں جشنِ خانہ خرابی کے اہتمام میں ہوں
یہ دیکھنا ہے مرے ہم خیال کتنے ہیں (والضحیٰ، ص:۶۱)

مرتب نے حمدِ باری تعالیٰ سے قبل ایک صفحہ پر یہ شعر درج کیا ہے۔

یہ مدحتِ رسولِ خدا کا ہے فیضِ خاص
سارے جہاں میں تم بھی بیکلؔ مہک اٹھے

حمدِ باری تعالیٰ کے چند اشعار عشق و عرفان میں ڈوب کر ملاحظہ فرمائیے۔

تو اپنی حمد کا اسلوب انتخابی دے
مرے خدا مجھے اندازِ بو ترابی دے
ترے حبیب کی توصیف میں رہوں بیکلؔ
علی کے در کی چھنی ہو وہی گلابی دے

اب ہم چند اشعار نعتِ مصطفیٰ ﷺ کے نقل کرتے ہیں

موجِ دریا نہ ہوئی، دریا سمندر نہ ہوا
بحرِ ذخار کبھی زم زم و کوثر نہ ہوا

اس شعر میں حضرت بیکلؔ اتساہی نے یہ بتایا ہے کہ کسی بھی چیز کا فضل و کمال عطائے الٰہی کی وجہ سے ہوتا ہے، ظاہر سی بات ہے کہ موج کبھی دریا نہیں ہو سکتی اور دریا سمندر نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح بحرِ ذخار یعنی بے شمار سمندر بھی جمع ہو جائیں مگر ان کا مقام نہ آبِ زم زم کے برابر ہو سکتا ہے اور نہ کوثر کے برابر۔ آپ خوب جانتے ہیں کہ آبِ زم زم آسمان سے نازل نہیں ہوا، بلکہ چار ہزار برس پہلے اللہ تعالیٰ کے محبوب شیر خوار بندے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے قدموں سے پھوٹا ہوا چشمہ ہے۔ ان کی والدہ حضرت ہاجرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ان کے لیے پانی کی تلاش میں سرگرداں تھیں، بفضلِ الٰہی کوہِ صفا پر اس بچے کی ایڑیوں سے پانی کا یہ چشمہ جاری ہوا اور اس کی خصوصیت یہ ہے کہ چار ہزار برس سے یہ مجرب ہے کہ اس پانی میں مکمل غذائیت ہے۔ ایک بندۂ مومن صرف اسی پانی کو پی کر برسوں زندہ رہ سکتا ہے اور خاص بات یہ ہے کہ اس پانی کو جس مقصد اور جس مرض کے لیے پیا جائے یہ اس کے لیے شافی اور کافی ہے۔ بڑے بڑے ماہرین نے اس پانی کی تحقیق کی مگر اہل دنیا اس کی حقیقت کو نہ پا سکے اور دنیا کا ہر پانی باادب بیٹھ کر پیا جاتا ہے، مگر اس پانی کو کھڑے ہو کر قبلہ رو پینے کا حکم ہے۔ اسی طرح وضو کا بچا ہوا پانی کو قبلہ رو کھڑے ہو کر پینا چاہیے اور اس پانی سے بھی پچاس مرض ختم ہوتے ہیں۔ اسی طرح آبِ کوثر کے بھی بے شمار فضائل ہیں، جن کی تفصیل کا یہاں موقع نہیں۔

اسی طرح دوسرا شعر ہے۔

ہمسری کرتا پھرے آج کا انسان مگر
جب نبی کوئی شہِ دیں کے برابر نہ ہوا

شاہ اسماعیل دہلوی نے اپنی کتاب "تقویۃ الایمان" میں ہمارے اور سارے جہان کے بے مثال پیغمبر اور مختارِ دوعالم ﷺ کے بارے میں ایمان سوز باتیں لکھی ہیں، چند چیزیں ذیل میں دیکھیے:

"رسول کے چاہنے سے کچھ نہیں ہوتا۔"
(ص:۴۲) "رسولِ خدا مر کر مٹی میں مل گئے۔"
(ص:۷۹) "جس کا نام محمد یا علی ہے وہ کسی چیز کا مختار نہیں۔" (ص:۲۹) "اللہ کے سوا کسی کو نہ مان۔" (ص:۲۳)
اسی طرح اس کتاب میں لکھا ہے: "اللہ نے ان کو بڑائی دی وہ بڑے بھائی ہوئے۔" (ص:۴۳)

شاہ اسماعیل دہلوی اور سید احمد رائے بریلوی نے ہندوستان میں فتنۂ وہابیت کا آغاز کیا، اس سے پہلے صدیوں تک ہندوستان میں صرف اور صرف اہلِ سنت و جماعت تھے، بعد میں کچھ رافضی داخل ہوئے جن کے رد میں امام ربانی مجدد الف ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے "رسالہ ردِ روافض" تحریر فرمایا، اس فتنۂ وہابیت سے غیر مقلدین اور دیوبندی مکاتب فکر پیدا ہوئے۔ یہاں آپ اس رخ پر بھی غور کیجیے، ہمارے آقا ﷺ کا مقام بہت بلند ہے، آپ رسولوں کے رسول اور نبیوں کے نبی بن کر آئے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے ذاتی نور سے پیدا فرمایا اور دیگر تمام انبیائے کرام اور رسولانِ عظام کو ہمارے آقا ﷺ کے نورِ پاک سے۔ آقا علیہ السلام نے فرمایا ہے: "اول ما خلق اللہ نوری و کل الخلائق من نوری"۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ سے پردے کے پیچھے سے حسبِ ضرورت کلام کرنے کا شرف رکھتے ہیں، آپ نے بار بار جلوۂ الٰہی کے دیدار کی خواہش ظاہر کی مگر اللہ تعالیٰ نے فرمایا، اے میرے پیغمبر موسیٰ آپ میری ذات کا جلوہ تو نہیں دیکھ سکتے، اگر میری صفت کی ایک تجلی دیکھنا ہے تو کوہِ طور پر آجاؤ۔ قرآن عظیم میں مکمل وضاحت کے ساتھ موجود ہے کہ کوہ طور جل کر راکھ ہو گیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام غش کھا کر گر گئے۔ مگر جب اپنے محبوب ﷺ کو اپنی ذات

کا جلوہ دکھانا ہوا تو انھیں لامکاں میں اپنے قریب بلایا، قرآن عظیم اور کثیر حدیثوں میں شبِ معراج کی تفصیل ملتی ہے۔ جب انبیائے کرام آخری پیغمبر کے برابر نہیں ہو سکتے تو آج کا ایک امتی ہونے کا دعوی کرنے والا ہمارے آقا ﷺ کے برابر کیسے ہو سکتا ہے؟

نہ چاہتے ہوئے گفتگو طویل ہو رہی ہے، بیکلؔ اتساہی اپنی دنیا کے منفرد شاعر تھے، وہ سنی صحیح العقیدہ سچے پکے مسلمان تھے۔ وہ اپنی دنیا میں مگن رہنے والے عظیم فنکار تھے، سادگی، سچائی، تواضع اور انکساری ان کی پہچان تھی، وہ زمین پر رہ کر بھی انتہائی بلند فکر رکھتے تھے۔ کلیات میں انھوں نے اپنے فنِ شاعری کا مظاہرہ جس فکری بالیدگی سے کیا ہے، دیکھ کر ایک انسان ورطۂ حیرت میں ڈوبتا چلا جاتا ہے۔ انھوں نے سیاست کی دنیا میں جتنی بلند ڈالی پر آشیانہ بنایا، اہلِ سیاست بھی سر اٹھا کر ان کی عظمت کے خطبے پڑھتے ہیں۔

بیکلؔ اتساہی نے "نفرت" کے عنوان سے بڑی دل لگتی باتیں کہی ہیں۔ آپ فرماتے ہیں۔

میں ہوں نفرت میرا گھر ہر شہر میں ہر گاؤں میں
راج ہے فرقہ پرستی کا مری سیماؤں میں
بستیوں میں میں نے ہی پھیلایا ہے فاقے کا روگ
بن میں افواہیں اگائیں، سازشیں صحراؤں میں
دولت و افلاس کی قسمت تو میرے پاس ہے
لوگ جانے کیوں پھنسے ہیں ہاتھ کی ریکھاؤں میں
راہ میں میری جب آئیں ایکتا کی قوتیں
ہو گئیں مجبور وہ بھی مصلحت کی چھاؤں میں
پیار سے انسان مل بیٹھیں کہیں تو ہے غلط
دھرم پر سب کٹ مریں یہ ہے مری آشاؤں میں

(کلیات، ص: ۸۴۳، ۸۴۴)

ان اشعار میں بیکلؔ اتساہی نے باشندگانِ ہند کے ایک بڑے طبقے کے بگڑے خیالات کی ترجمانی کی ہے، اسی کے نتیجے میں آئے دن فسادات ہوتے ہیں اور ایک عام انسان لوٹ مار، قتل و غارت گری کے دردناک ماحول سے گزرتا ہے خاص بات یہ ہے کہ خیالات کے بہاؤ کے باوجود لفظوں کا بانکپن اپنی جگہ برقرار ہے۔

آپ نے "مشورے" کے عنوان سے ایک انتہائی اچھوتا کلام پیش کیا ہے۔ آپ لکھتے ہیں۔

رات سنسان ہے، راہ ویران ہے، ٹھہر و ٹھہر و اکیلے کہاں جاؤ گے
دیکھو ساحل پہ وہ کشتیاں رک گئیں
بادباں گر گئے، بلیاں جھک گئیں
کوئی مانجھی نہیں گھاٹ خاموش ہے
ہر تھپیڑے میں خطرہ سیہ پوش ہے
آج طوفان ہے، عزمِ نادان ہے، ٹھہر و ٹھہر و اکیلے کہاں جاؤ گے

(کلیات، ص: ۹۴۲)

غزلیات کے باب میں آپ کی پہلی غزل دیکھیے۔

سنا ہے مومنؔ و غالبؔ نہ میرؔ جیسا تھا
ہمارے گاؤں کا شاعر نظیرؔ جیسا تھا
بساطِ شہرِ سخن دسترس میں تھی اس کے
وہ بادشاہ مگر مجھ فقیر جیسا تھا
چھڑے گی دیر و حرم میں یہ بحث میرے بعد
کہیں گے لوگ کہ بیکلؔ کبیرؔ جیسا تھا

(کلیات، ص: ۴۵۵)

آپ نے اردو کے معروف شاعر چچا غالب کے عنوان سے جو غزل کہی ہے اردو دنیا میں اس کو بھی بہت شہرت ملی، تفصیل سے گریز کرتے ہوئے سرِ دست ہم اس کا ایک بند نقل کرتے ہیں۔

مرمریں لفظوں میں تخیل کا اک تاج محل
جیسے غالب کی غزل
یہ لہکتے ہوئے گیسو یہ دمکتا ہوا روپ
سرد موسم کی گھٹاؤں سے یہ چھنتی ہوئی دھوپ
پرتوئے عارضِ گل، فصلِ بہاراں کا بدل
جیسے غالب کی غزل

(کلیات، ص: ۷۸۶)

کل ملا کر کلیات بیکلؔ اتساہی اک انتہائی دیدہ زیب مرقعِ جمیع ہے۔

ہم اس مقام پر جناب فاروق ارگلی کو مبارک بادیوں کے گل دستے پیش کرتے ہیں کہ انھوں نے ترتیبِ کلیات کا کام بحسن و خوبی انجام دیا اور پدم شری بیکلؔ اتساہی کے افکار و اشعار کو دنیا کے گوشوں تک پہنچایا۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اتنی ضخیم کتاب میں کچھ سہو بھی ہو جاتے ہیں، مگر یہ ایک عام بات ہے، ہم ان کے ذکر سے گریز کرتے ہیں اللہ تعالیٰ پدم شری بیکلؔ اتساہی کی مغفرت فرمائے اور جنت الفردوس میں بلند ترین مقام عطا فرمائے۔ آمین۔ ☆☆☆

# نعتِ رسولِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

پدم شری بیکل اتساہی

(۱)

مثلِ راہِ سرورِ دیں رہ گذر کوئی نہیں
عشق مجھ کو لے چلا ہے ہم سفر کوئی نہیں
جس کو نعلِ مصطفیٰ کی مل گئی قسمت سے خاک
اس سے اونچا آج تک دنیا میں کوئی سر نہیں
تم بشر کہتے رہے نورِ مجسم کو مگر
بے جھجک دیکھے انھیں ایسی نظر کوئی نہیں
ہے زمیں سے آسماں تک جسم کی آسودگی
روح کی خاطر علاجِ معتبر کوئی نہیں
پہلے تعظیمِ نبی پھر بعد میں سجدوں پہ ناز
ورنہ ایماں کا ضمیرِ تاج ور کوئی نہیں
گردشِ دوراں کا ٹھکرایا ہوا جائے کہاں
آپ کی چوکھٹ ہے آقا اور در کوئی نہیں

(۲)

اندھیری رات ہے شمس الضحیٰ کی بات کرو
ستارو آؤ رخِ مصطفیٰ کی بات کرو
جہاں بھی ذکرِ شبِ قدر آئے ہونٹوں پر
وہیں رسول کی زلفِ دوتا کی بات کرو
نشاطِ عیش کی باتوں میں زندگی ہے مگر
حیات پانا ہے تو کربلا کی بات کرو
اداس اداس ہو ماحول ہر نفس ہو گھٹن
تو بوئے جسمِ حبیبِ خدا کی بات کرو
فریب کھاؤ نہ شمس و قمر کی تابش سے
جمالِ چہرۂ صلِ علیٰ کی بات کرو
نکیرو اور کوئی دوسرا سوال نہ ہو
خدا کے بعد مرے مصطفیٰ کی بات کرو
غمِ حیات کی گر دھوپ ہے کڑی بیکلؔ
دعا میں چادرِ نورِ خدا کی بات کرو

## نعتیہ قطعات

رہ گذارِ عقل گر محدود ہو سکتی نہیں
اہلِ ایماں کی نظر محدود ہو سکتی نہیں
دشمنِ دیں لاکھ حد بندی کرے تنقید سے
عظمتِ خیر البشر محدود ہو سکتی نہیں

--------

دل سے سرکار کو جو مان لیا کرتے ہیں
وہ ہر اک رازِ نہاں جان لیا کرتے ہیں
جس جگہ بزمِ نبی ہوتی ہے تو بڑھ کے ملک
اپنے محبوب کو پہچان لیا کرتے ہیں

--------

ہم دین کی باتوں میں ترمیم نہیں کرتے
دنیا کے ارادوں کو تسلیم نہیں کرتے
اللہ کی عظمت کو وہ کیسے سمجھ پائیں
جو سرورِ عالم کی تعظیم نہیں کرتے

--------

بھٹک بھٹک کے رہا، اس کو راستہ نہ ملا
جسے حبیبِ دوعالم کا نقشِ پا نہ ملا
کہاں کے روزے کہاں کی نماز، کیسا عمل
بلا نبی کی محبت کبھی خدا نہ ملا

--------

طوفاں کو ڈوبتے کا سہارا بنا دیا
موجوں کو حوصلے کا کنارا بنا دیا
پوچھے کوئی عمر سے شہِ دیں کا اختیار
ذرے کو اک نظر میں ستارا بنا دیا

--------

جب بھی سرکار مسکراتے ہیں
چاند تارے دیے جلاتے ہیں
پوچھو جابر سے اختیارِ نبی
موت کو زندگی بناتے ہیں

--------

## نعتیہ گیت

آپ نہ جنیہو تب کے جانے ہمرے من کا حال
کرم ہو عبداللہ کے لال

کیکرے سے ہم کہی بپتیا، کون ڈگر اپنائی
اَرَج سنے ما بہرے ہیں سب پھر کہ کا گہرائی
ہم اَرَجی آپ ہی سنیہو کو ہوک کون مجال
کرم ہو عبداللہ کے لال

کب تک دیہو درسن آقا کب ایہے ہم دوارے
ایک جھلک بن پیاسا منوا تڑپت سانجھ سکارے
ہمرا جیون آپ کا صدقہ آپ ہی کرو خیال
کرم ہو عبداللہ کے لال

نئی روشنی کے لہرا میں جکڑا ہے انسان
پل پل دنیا رنگ بدلتی، مشکل ہے پہچان
ہونٹوں پر مسکان کا میک اپ ماتھے اونٹ کی کھال
کرم ہو عبداللہ کے لال

کوئی طنز کا پاتھر مارے، کوئی اڑائے دھول
کانٹوں بیچ میں کوئی ڈھکیلے کوئی دکھادے پھول
ایک اکیلا عشق بیچارہ چاروں طرف بوال
کرم ہو عبداللہ کے لال

ہم بیکل اپنی بھاشا میں آپ کی مہما گائیں
بدھمان ہمرے شبدن کا ارتھ سمجھ نہ پائیں
جو ہے سنیہی آپن آقا او اگیا بیتال
کرم ہو عبداللہ کے لال

# صدائے بازگشت

## حضرت بیکل اتساہی کی ذات

رئیس القلم، فخرِ صحافت، سلام سنبل وگلہائے عقیدت

مزاج ہمایوں! بڑے بھائی!! لکھنا تو بند کر دیا تھا، لیکن حضرت بیکل صاحب کی ذات نے اتنا بیکل کر دیا کہ قلم وقرطاس کے توسط سے حاضری کا شرف حاصل ہو رہا ہے، اصلاح فرما کر شریک اشاعت فرمائیں، نوازش ہوگی۔ حضرت زاہد سلامی اور نعیم ملت کو سلام عرض ہے۔

محتاج کرم ودعا    یعقوب اخترؔ اورنگ آبادی

## فضائیہ میں مسلمان داڑھی نہیں رکھ سکتے

مکرمی.................................... سلام مسنون

داڑھی رکھنا مذہبِ اسلام کا شعار ہے، داڑھی رکھنا تمام انبیاے کرام علیہم السلام کی سنت ہے، شرعًا ایک مشت داڑھی رکھنا ہر مسلمان کے لیے ضروری ہے، کوئی مسلمان داڑھی نہیں رکھتا تو وہ اس کا ذاتی عمل ہے، اس کو دلیل بنا کر مسلمانوں کے داڑھی رکھنے پر پابندی عائد نہیں کیا جا سکتی، مگر حکومت کا مسلمانوں سے تعصب کا یہ عالم ہے کہ اگر کوئی مسلمان فوج میں رہتے ہوئے اپنے چہرے کو سنت رسول سے آراستہ کرتا ہے تو اسے نوکری سے نکال دیا جاتا ہے، جب کہ سکھوں کو داڑھی رکھنے اور پگڑی پہننے کی اجازت ہے، داڑھی کے متعلق عدالتِ عظمیٰ کا حالیہ فیصلہ نا انصافی اور مسلمانوں کے ساتھ تعصب برتے جانے پر غماز ہے۔ آفتاب احمد انصاری نے ایئر فورس میں ملازمت کے دوران شرع کے مطابق داڑھی رکھی تھی، جنھیں ۲۰۰۸ء میں ڈسپلن شکنی کے الزام میں نوکری سے برخاست کر دیا گیا تھا، اس کے بعد جب آفتاب احمد نے انصاف کے لیے سپریم کورٹ کا دروازہ کھٹکھٹایا تو عدالتِ عظمیٰ نے مذہبی آزادی پر قدغن لگاتے ہوئے تقریبًا ۸؍ برس کے بعد ۱۵؍ دسمبر ۲۰۱۶ء کو یہ فیصلہ سنایا کہ فضائیہ میں مسلمان داڑھی نہیں رکھ سکتے اور فضائیہ کے اس قانون کو مذہبی آزادی کے بنیادی حقوق کی خلاف ورزی سے منسلک نہیں کیا جا سکتا۔ سپریم کورٹ نے آفتاب احمد کے مقدمے کو خارج کرتے ہوئے جو دلائل پیش کیے ہیں وہ یقینًا مسلمانوں میں بے چینی اور اضطراب پیدا کرنے والے ہیں۔

اگر فضائیہ کے قوانین فوج میں مساوات اور نظم وضبط کے اظہار کے لیے تشکیل دیے گئے ہیں تو پھر سکھوں کی داڑھی اور پگڑی پر پابندی کیوں نہیں لگائی جاتی؟ کیا نظم وضبط میں خلل صرف مسلمانوں کے داڑھی رکھ لینے سے واقع ہوتا ہے؟ اور جب آئینِ ہند نے ہر شہری کو مذہبی آزادی کا حق دیا ہے تو اس قسم کا قانون وضع کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے؟ آفتاب احمد کی دائر کردہ رٹ کے جواب میں فضائیہ نے عدالت میں ایک اور بات کہی ہے کہ تمام مسلمان داڑھی نہیں رکھتے، داڑھی رکھنا یا نہ رکھنا ان کے لیے ایک متبادل، ایسے میں داڑھی رکھنے کے لیے اسلام کی دُہائی نہیں دی جا سکتی۔ یہ صحیح ہے کہ تمام مسلمان داڑھی نہیں رکھتے، مگر اس کو دلیل بنا کر مسلم فوجیوں کے داڑھی رکھنے پر پابندی لگانا کہاں کا انصاف ہے۔ بہت سے سکھ بھی داڑھی نہیں رکھتے، پھر یہ ضابطہ ان پر نافذ کیوں نہیں ہوتا؟ اس معاملے میں صرف مسلمانوں کو ہی ملازمت سے کیوں برطرف کیا جاتا ہے؟ میری سمجھ سے مسئلہ داڑھی کا نہیں ہے بلکہ اصل مسئلہ یہ ہے کہ مسلمانوں کو اتنا گھیر دو کہ وہ اپنے مذہبی تشخص کے ساتھ زندہ نہ رہ سکیں اور فوج اور ملٹری میں جو گنے چنے مسلمان ہیں وہ بھی ختم ہو جائیں۔

از: محمد عرفان علی قادری، لکھنؤ

## علم کی راہ میں بنتی رکاوٹیں

مکرمی! علم ایک ایسی شمع ہے جس کی روشنی انسان کے وجود کو منور کر دیتی ہے، علم ایک ایسی لازوال دولت ہے جس سے انسان معاشرے میں ممتاز ہوتا ہے، علم ایک ایسا سمندر ہے جس کا کوئی کنارہ نہیں ہے، علم ایک ایسا ذریعہ ہے جس سے خدائے وحدہ لاشریک کی پہچان ہوتی ہے، جہاں ایک طرف علم انسان کو زندگی گزارنے کا سلیقہ عطا کرتا ہے تو وہیں ذات وحدہ لاشریک کی بندگی کا قرینہ عطا کرتا ہے علم انسان کی عزت وعظمت میں اضافہ کرتا ہے اور معاشرے میں باوقار زندگی گزارنے کا موقع فراہم کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حصول علم کو فرض قرار دیا اور فرمایا علم حاصل کرو اگرچہ تمھیں چین جانا پڑے، جس سے علم کی اہمیت و افادیت کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

آج کے ترقی یافتہ دور میں تعلیم کو فروغ دینے کے لیے بڑے بڑے ادارے قائم کیے گئے ہیں جہاں درس وتدریس کا ایک خوب صورت سلسلہ جاری ہے اور دن بہ دن یہ سلسلہ دراز ہوتا چلا جا رہا

ہے، تعلیم کو فروغ دینے لیے حکومت بھی گاؤں دیہات اور قصبات میں تعلیمی ادارے قائم کر رہی ہے، سرکار تعلیم کو بڑھاوا دینے کی خاطر روز نئی نئی اسکیمیں لاگو کر رہی ہے تاکہ ہندوستان ایک مکمل تعلیم یافتہ ملک کے طور پر ابھر کر دنیا کے سامنے آئے جس میں بہت حد تک حکومت کامیاب بھی رہی ہے- لیکن آخر کیا وجہ ہے اتنے سارے انتظامات کے باوجود کہ ہمارے اداروں سے کوئی ڈاکٹر امبیڈکر یا ڈاکٹر اے پی جے عبد الکلام وغیرہ جیسی شخصیت پیدا نہیں ہوتی؟ ایسی ہی کچھ حالت ہمارے دینی مدارس کی ہے جہاں طلبہ کے رہنے سہنے کھانے پینے کا معقول انتظام ہونے کے باوجود کوئی علامہ فضل حق خیر آبادی یا امام احمد رضا بریلوی وغیرہ جیسی عظیم شخصیت جنم نہیں لے رہی ہے؟ ان کے کئی وجوہات ہو سکتے ہیں جن میں سے ہم بعض کی نشاندہی کر رہے ہیں۔

(1) **اچھے اور باصلاحیت اساتذہ کمی**، یہ سب سے پہلی اور بنیادی وجہ ہو سکتی ہے اس لیے کہ ایک کامیاب طالب علم کے پیچھے ایک مشفق اور مہربان استاذ کا ہونا انتہائی ضروری ہے تعلیم کے حصول کے لئے قابل اساتذہ بے حد ضروری ہیں جو بچوں کو اعلیٰ تعلیم کے حصول میں مدد فراہم کرتے ہیں۔ رابرٹ فراسٹ نے کیا خوب کہا تھا میں پڑھاتا نہیں جگاتا ہوں I am not a teacher but an awakener مطلب یہ کہ یہی استاد کی بنیادی ذمہ داری ہوتی ہے۔ استاد وہ نہیں جو محض چار کتابیں پڑھا کر اور کچھ کلاسز لے کر اپنے فرائض سے مبرا ہو گیا بلکہ استاد وہ ہے جو طلبہ وطالبات کی خفیہ صلاحیتوں کو بیدار کرتا ہے اور انہیں شعور و ادراک، علم و آگہی نیز فکر و نظر کی دولت سے مالا مال کرتا ہے۔ جن اساتذہ نے اپنی اس ذمہ داری کو بہتر طریقے سے پورا کیا، ان کے شاگرد آخری سانس تک ان کے احسان مند رہتے ہیں۔ لہذا تعلیمی اداروں میں باصلاحیت اساتذہ تقرری وقت کا اہم تقاضہ ہے۔

(2) **جبری تعلیم کا بڑھتا رواج**، ہر طالب علم کے قلوب و اذہان مختلف ہوا کرتے ہیں ان کی سوچ و فکر ایک دوسرے سے سے جدا ہوا کرتی ہے لہذا یہ والدین کی ذمہ داری ہے کہ وہ بچے کی خواہشوں کا صحیح احترام کریں اور ان کو پرکھے کہ وہ کس فن میں دلچسپی رکھتا ہے پھر اس کو اسی فن میں آگے بڑھانے کی کوشش کریں ورنہ جبری تعلیم زندگی کو تباہ و برباد کر دیتی ہے، آج کے دور میں یہ بیماری زیادہ عام ہو رہی ہے بچہ عالم بننا چاہتا ہے تو والدین زبردستی انھیں حافظ بنانا چاہتے ہیں جس کا اثر منفی ہوتا ہے بچہ نہیں تو صحیح عالم بن پاتا ہے اور نہ ہی صحیح حافظ لہذا اس کا خیال انتہائی ضروری ہے۔

(3) **تربیت کا فقدان**، یہ بھی اس سلسلے کی ایک اہم کڑی ہے آج کہ اس ترقی یافتہ دور میں والدین اور اساتذہ کی صحیح تربیت نہ ملنے کی وجہ سے بھی طلبہ کا کیئریر برباد ہو رہا ہے اس لیے تعلیم کے ساتھ ساتھ تربیت بھی کافی اہمیت کا حامل ہے لہذا اس پہلو پر بھی سنجیدگی سے غور کرنے کی ضرورت ہے۔

(4) **ذوق کی کمی**، جب ایک طالب علم کے اندر حصول علم کا جذبہ ہی نہ ہو تو وہ ہرگز اپنے آپ کو زیور علم سے آراستہ نہیں کر سکتا ہے لہذا اپنے اندر تحصیل علم کا جذبہ بیدار کرنا ایک کامیاب طالب علم کی پہچان ہے۔

(5) **تضیع اوقات**، اس راہ میں یہ سب سے بڑی رکاوٹ ہے اور اس بیماری میں طلبہ اور اساتذہ دونوں برابر کے شریک ہیں، موجودہ دور میں موبائل لیپ ٹاپ وغیرہ نے بچوں کی زندگی پر گہرا اثر ڈالا ہے طلبہ گھنٹوں موبائل پر اپنا قیمتی وقت برباد کرتے رہتے ہیں جس سے ان کا تعلیمی سفر انتہائی مشکل ہو جاتا ہے لہذا والدین وقت سے پہلے بچوں کو ہرگز ان چیزوں کی سہولیات فراہم نہ کریں۔

(٦) **دین سے دوری** جب انسان اپنے مذہب سے دوری اختیار کرتا ہے تو قدم قدم پر ٹھوکریں کھاتا پھرتا ہے اس لیے کامیابی اس وقت تک حاصل نہیں کی جا سکتی جب تک کے اپنے خالق و مالک کا شکر نہ بجالایا جائے، اس لیے کہ جب بھی بندہ کسی مشکل گھڑی میں اپنے رب کو یاد کرتا ہے تو پروردگار اس کی مدد فرماتا ہے، ہندوستان کے سابق صدر جمہوریہ مزائل مین اے پی جے عبد الکلام اپنی سوانح عمری میں تحریر کرتے ہیں کہ یہ رب کا مجھ پر خاص کرم ہوا کہ میں ملک کے لیے مزائل تیار کر سکا ورنہ اس حقیر کلام کی کیا اوقات کہ اتنا بڑا کام خود سے انجام دے سکے لہذا کامیابی کے دروازے ہم پر اسی وقت کھول سکتے ہیں جب ہم اپنے رب کو یاد رکھیں اور اس کی اطاعت و بندگی کریں اور اپنے مذہب کے پابند رہیں

حصول علم کی راہ میں کامیابی نہ ملنے کے اور بھی کئی وجوہات ہو سکتے ہیں البتہ ان باتوں کا خیال رکھا جائے تو کامیابی ضرور ہاتھ لگے لگی -اور ساتھ ہی اکابرین اور بزگان دین کی زندگی کو اپنی نگاہوں کے سامنے رکھیں اور اس پر چلنے کی بھی کوشش کریں اگر ہم ان باتوں پر کھڑے اترتے ہیں تو ایک نہ ایک دن کامیابی ضرور ہمارے قدم چومتی نظر آئے گی-

از محمد قمر رضا در بھنگوی، متعلّم الجامعتہ الاشرفیہ مبارک پور

# خیر و خبر

## مومن پور کولکاتا میں بدمذہبوں کی ہزیمت

۱۲/ ربیع الاول ۱۴۳۸ھ بمطابق ۱۲/ دسمبر ۲۰۱۶ء بروز پیر بعد نماز عشا مومن پور راجا کوٹھی موڑ کولکاتا ۲۳ میں "ہمارا ارمان چینل" کی جانب سے عید میلاد النبی کے موقع سے ایک پروگرام رکھا گیا جس میں مدرسہ دیوبند قاسم العلوم کولو پاڑا کولکاتا ۲۳ کے تمام طلبہ و مدرسین مدعو تھے نیز لکھنؤ کے کچھ علمائے دیوبند بھی مدعو تھے۔ پروگرام کے ابتدا میں کچھ نعت شریف کے اشعار پیش کیے گئے اس کے بعد ایک سنی اور ایک دیوبندی طالب علم کا فرضی مکالمہ (Debate) ہوا جس میں دونوں طالب علم مذکورہ مدرسہ ہی کے تھے۔ ان میں سے ایک طالب علم کو جاہل سنی بنا کر پیش کیا گیا اور دوسرے کو پڑھا لکھا مہذب دیوبندی بنا کر پیش کیا گیا۔ بحث اور مکالمہ کے دوران دیوبندی طالب علم نے سنی طالب علم سے سوال کیا کہ آپ لوگ عید میلاد النبی مناتے ہیں، جلوس محمدی کا اہتمام کرتے ہیں اور جھنڈیاں لہراتے ہیں، یہ تو سراسر بدعت ہے اور اسلام میں ناجائز ہے۔ دوسری طرف جو سنی طالب علم تھا جس کو جاہل اور گنوار بنا کر پیش کیا گیا تھا، اس نے جواب دیا: تو کیا عید میلاد النبی منانا، جلوس محمدی کا اہتمام کرنا اور جھنڈیاں لہرانا گناہ ہے؟ تو دیوبندی طالب علم نے جواب دیا تم گناہ کی بات کرتے ہو عید میلاد النبی منانا صرف گناہ ہی نہیں بلکہ میلاد منانے والوں کو قیامت میں آب کوثر کا جام بھی نہیں ملے گا۔ اسٹیج پر موجود علاقے کے سیاسی لیڈر عزت مآب جناب معین الدین شمس صاحب نے اس پر اعتراض بھی کیا اور اسی بنیاد پر اسٹیج سے اتر بھی گئے۔ مگر پھر بھی مکالمہ چلتا رہا۔ الغرض تھوڑی دیر کے بعد مکالمہ ختم ہو گیا۔ اور تقریروں کا سلسلہ شروع ہوا۔ راقم الحروف بعد نماز عشا ایک پروگرام میں چلا گیا تھا وہاں پروگرام کی ساری کاروائیاں مکمل کر کے کھانا کھانے کے لیے بیٹھے ہی تھے کہ محب محترم حضرت مولانا امتیاز احمد مصباحی بانی دعوت قرآن اسلامک ایجوکیشنل اینڈ ویلفیئر ٹرسٹ نے مجھے فون کر کے بتایا کہ خبر ملی ہے کہ آپ کی مسجد کے پاس دیوبندی جماعت کا کوئی پروگرام چل رہا ہے جس میں میلاد اور دیگر معمولات اہل سنت پر اعتراضات کیے جا رہے ہیں، مولانا نے بتایا اگر اس کو آج نہیں روکا گیا تو آگے چل کر سنیت کا بہت بڑا نقصان ہوگا اور لوگوں کی عقیدت مجروح ہو جائے گی۔ میں نے کہا اگر ایسا ہے تو آپ فوراً میری مسجد کے پاس پہنچیں اور اگر واقعتاً اسٹیج سے ایسی غیر ذمہ دارانہ اور ایمان سوز باتیں کی جا رہی ہیں تو یہ ہم کبھی نہیں ہونے دیں گے اور اسی وقت جلسہ کی کاروائی روک دیں گے۔ گواہوں کے ذریعے جب واقعے کی تصدیق ہو گئی تو پھر ہم لوگ چند نوجوانوں کو لے کر اسٹیج پر پہنچے اور اسی وقت اسٹیج کی کاروائی روک دی گئی۔ وہاں پر موجود دیوبندی علما نے اپنی غیر ذمہ دارانہ گفتگو کے لیے عوام سے معافی مانگی اور صلاۃ و سلام کے قیام کو شرعاً جائز قرار دیا، مولانا امتیاز احمد مصباحی نے قوم کو خطاب کیا اور محبت رسول کو ایمان کی بنیاد قرار دیا۔ تھوڑی دیر راقم الحروف نے تقریر کی اور میرے بعد حضرت مولانا حافظ و قاری الحاج اکبر حسین رضوی کا پر مغز خطاب ہوا۔ صلاۃ و سلام اور دعا کے بعد محفل کا اختتام ہوا۔ جلسہ کے آرگنائزر جناب عنبر بھائی جو کہ ایک سنی صحیح العقیدہ ہیں اور تقریباً دس بارہ سال سے علمائے اہل سنت کی قیادت میں یہ پروگرام کراتے آئے ہیں، انہوں نے بتایا کہ میں ان سب باتوں سے بری ہوں۔ لیکن پروگرام میں کن کے اشارے پر علمائے دیوبند بلائے گئے یہ بات ابھی بھی پردہ خفا میں ہے۔

از: محمد سبحان رضا قادری مصباحی

دار العلوم اسلامیہ ۱/۱ بنگالی شاہ وارثی لین خضر پور کولکاتا ۲۳

## سرائے ترین سنبھل میں جشن عید میلاد النبی ﷺ

۱۰/ ربیع النور ۱۴۳۸ھ/ ۱۰/ دسمبر ۲۰۱۶ء فیض گرلس انٹر کالج سرائے ترین سنبھل میں جشن عید میلاد النبی ﷺ کا انعقاد ہوا، اس میں کالج کے بانی محترم عبد الغفور سلامی مرحوم کی پہلی برسی کا بھی اہتمام تھا۔ بفضلہ تعالیٰ اس میں مقامی و بیرونی حضرات نے شرکت فرمائی، پروگرام کی صدارت حضرت مفتی زاہد علی سلامی استاذ و مفتی الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور نے فرمائی۔

پروگرام کا آغاز تلاوتِ کلامِ ربانی اور نعت سرورِ دو جہاں ﷺ سے ہوا، ابتدا میں مدرسہ فیض العلوم سرائے ترین کے علمائے کرام نے خطابات فرمائے، نظامت کے فرائض حضرت مولانا عادل رضا مصباحی نے انجام دیے۔

تقریباً دس بجے معروف خطیب و ادیب مفکرِ اسلام حضرت علامہ

مبارک حسین مصباحی نے خطاب فرمایا، آپ نے فکر انگیز تمہید کے بعد سیرتِ مصطفیٰ ﷺ پر تفصیل سے روشنی ڈالی، آپ نے فرمایا کہ آج زمانے کے حالات مزید بگڑ رہے ہیں، شراب نوشی، زناکاری، جھوٹ، غیبت اور چوری عام ہو رہی ہے۔ نام نہاد مسلمانوں کے نام دہشت گردی میں بھی عام ہو رہی ہیں، آج پھر دنیا میں وہی حالات عام ہو رہے ہیں جن کی اصلاح ہمارے آقا ﷺ نے اپنے عہد میں فرمائی تھی، آج ہم کو ضرورت ہے کہ سیرتِ مصطفیٰ اور اخلاقِ مصطفیٰ کو پڑھیں اور سنیں اور اس پر عمل کریں، آج مسلمان نمازیں چھوڑتے ہیں، زکوٰۃ اور حج وزیارت کی طرف راغب نہیں ہوتے، داڑھیاں منڈاتے اور حدِ شرع سے کم کراتے ہیں، خاص طور پر نوجوان اس بے عملی کا شکار ہیں۔ مولانا نے مزید فرمایا کہ آج ہماری حکومت نے ہزار اور پانچ سو کے نوٹ بند کر دیے ہیں، اس کا نشانہ تھا کہ کالا دھن ختم ہو اور جعلی نوٹوں کا سلسلہ بند ہو مگر افسوس مرکزی حکومت کے وزیر اعظم نے ایسے لوگوں کو قبل از وقت خوب چھوٹ دی، بینک میں نئے نوٹ آنے سے پہلے اتر پردیش میں بی جے پی کے ایک بڑے ذمہ دار کی لڑکی کے پاس نئے نوٹوں کی گڈیاں کہاں سے آئیں، نوٹ بندی کے بعد ان کے ایک متعلق نے اپنی بیٹی کی شادی میں پانچ سو کروڑ روپے کہاں سے خرچ کیے۔ نوٹ بندی کے بعد جدید وقدیم کروڑوں روپے کہاں سے آ رہے ہیں، اس طرح اور بھی سیکڑوں مثالیں ہیں۔

مولانا نے مزید فرمایا: اے مسلمانو! آپ سینٹرل گورنمنٹ کی طرف نہیں بلکہ اپنے آقا ﷺ کی جانب دیکھو، جن کا ارشادِ گرامی ہے کہ دینے والا اللہ تعالیٰ ہے اور تقسیم کرنے والا میں ہوں۔ ہمارے نبی ﷺ کل بھی زندہ تھے اور آج بھی اپنی قبر مبارک میں زندہ ہیں، وہ کل بھی دیتے تھے اور آج بھی دیتے ہیں۔ ہاں دولت اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا انعام ہے، مگر نیک امور میں خرچ کرنے کی توفیق اللہ تعالیٰ کی اس سے بڑی نعمت ہے اس لیے دولت کے لیے جد وجہد کرنا چاہیے، فکر وحکمت کا استعمال کر کے زیادہ سے زیادہ حلال کمائی حاصل کرنی چاہیے۔

حضرت علامہ مبارک حسین مصباحی نے عالی جناب عبد الغفور سلامی مرحوم کے لیے دعائے مغفرت فرمائی اور پھر محترم المقام طاہر سلامی اور حضرت علامہ مفتی زاہد علی سلامی کی والدہ ماجدہ مرحومہ کے لیے دعائے خیر اور دعائے مغفرت فرمائی، اس موقع پر ہمارے تایا جان محترم عبد الغفور مرحوم کی برسی اور دادی جان کی چہلم کی فاتحہ بھی تھی۔

ان کے بعد ڈاکٹر سید فضل اللہ چشتی مائک پر آئے اور جشنِ عید میلاد النبی ﷺ کی شرعی حیثیت قرآن وحدیث کی روشنی میں کے عنوان سے نہایت معلوماتی خطاب فرمایا۔ ڈاکٹر صاحب نے اپنے خطاب میں کہا کہ میلاد کی محافل کا انعقاد کوئی نئی چیز نہیں بلکہ ہمارے سلف صالحین سے ثابت، کارِ ثواب اور باعثِ اجر ہے۔ ہمارے بزرگوں نے اس کا خاص اہتمام فرمایا اور اس پر مداومت برتی۔ پروگرام میں مقامی علمائے کرام کے علاوہ مدرسہ فیض العلوم کے اساتذہ نے شرکت کی۔ جشن کا مکمل نظم ونسق ادارے کے ناظمِ اعلیٰ اور دیگر اراکین وبرادران نے انجام دیا۔ پروگرام کے اخیر میں حضرت مفتی زاہد علی سلامی مدظلہ العالی نے دعا فرمائی۔

از: زبیر احمد سلامی ابن طاہر سلامی متعلّم جامعہ اشرفیہ، مبارک پور

## بلاری میں جشن عید میلاد النبی کانفرنس

گذشتہ سالوں کی طرح امسال بھی بلاری ضلع مراد آباد میں ۱۲ ربیع الاول شریف کے پر بہار موقع پر ۱۱ ربیع الاول ۱۴۳۸ھ بروز دوشنبہ بعد نمازِ عشا جشن عید میلاد النبی ﷺ کانفرنس کا انعقاد بڑے تزک و احتشام کے ساتھ کیا گیا، پروگرام کی ابتدا قاری محمد رئیس نے تلاوتِ کلامِ ربانی سے کی۔ حافظ محمد ارشاد نے نعتِ نبی گنگنا کر سامعین کو محظوظ کیا۔ پروگرام کو آگے بڑھاتے ہوئے تقریر اور نعت اور پھر تقریری سلسلہ جاری رہا۔ کانفرنس کے مہمان خصوصی مفکر اسلام حضرت علامہ مبارک حسین مصباحی استاذ جامعہ اشرفیہ مبارک پور کے خطاب سے قبل مفتیِ اعظم سنبھل حضرت قاری علاء الدین اجملی سامعین سے روبرو ہوئے۔ حضرت نے سیرتِ نبوی پر معلوماتی خطاب فرما کر سامعین سے داد وتحسین کی شکل میں خراج وصول کیا۔ اجملی صاحب کے بعد زبیر حسانی نے نعتِ سرور سنا کر لوگوں کا دل جیتنے میں کامیابی حاصل کیا۔

موسم کو مد نظر رکھتے ہوئے انتظامیہ نے چائے اور انڈے سے حاضرین کی تواضع کی۔ چائے نوشی کر کے لوگوں میں بیداری آگئی۔ اب کانفرنس کے مہمان خصوصی مفکرِ اسلام حضرت علامہ مبارک حسین مصباحی کو کرسیِ خطابت کی دعوت پیش کی۔ مفکر اسلام نے اپنے خطاب میں جو نئی فکر دی، نئی سوچ کی طرف توجہ دلائی وہ قابلِ تعریف ہے۔ انھوں نے فرمایا کہ آج پوری دنیا میں میلاد النبی پر جلسے کا قیام عمل میں آرہا ہے، آج وقت کا تقاضا ہے کہ جس طرح ہم دنیاوی تعلیم کی طرف بڑی توجہ کرتے ہیں قریب سے دیکھو گے تو پتہ چلے گا، آج جو

کچھ سائنس کا جلوہ دیکھ رہے ہو وہ اسلامیات کی دین ہے، وہ قرآن کی دین ہے، وہ فرامینِ مصطفیٰ کی دین ہے، اور اگر ماضی پر گہری نظر ڈالو تو معلوم ہوگا کہ مسلم سائنس دانوں کی ایک طویل فہرست ہے اور اس میں غزالیِ دوراں حضرت امام غزالی کا نام جلی قلم سے درج ہے، مصباحی صاحب نے تعلیمِ دین پر زور دیتے ہوئے فرمایا، علمِ دین کے بغیر ہم دونوں جہاں میں کامیاب نہیں ہو سکتے، خطاب کے بعد صلاۃ و سلام ہوا، مفکرِ اسلام نے دعا فرمائی، اس موقع پر حضرت مولانا اخلاق حسین، مولانا صادق حسین، مفتی منور علی، قاری غلام حیدر، قاری فراست حسین، مولانا مختار احمد، حافظ ارشاد احمد، حافظ شمس الحسن، حافظ مقبول، قاری شاکر رضا، اور ان کے علاوہ شہر کے دیگر علمائے کرام بھی موجود رہے۔

طیب رضا، محمد قاسم، تسلیم احمد، شریف احمد، اشتیاق احمد، عبد الغفار، علاء الدین اور ان کے تمام ساتھیوں نے تمام تر ذمہ داریاں بخوبی انجام دیں۔ مولا تبارک وتعالیٰ دارین کی سعادت نصیب فرمائے۔ آمین          از: محمد رئیس اشرفی

بانی و مہتمم مدرسہ گلشن فاطمہ، بلاری

## مبارک پور میں انجمن اہل سنت واشرفی دار المطالعہ کے زیرِ اہتمام جلسہ اور جلوسِ عید میلاد النبی ﷺ

مبارک پور میں قریب دو درجن انجمنیں ہیں، مرکزی انجمن اہلِ سنت و اشرفی دار المطالعہ ہے، اس کے جنرل سکریٹری الحاج محمد یونس انصاری مرحوم تھے، وہ اپنی دینی اور سیاسی خوبیوں کی وجہ سے کافی متعارف تھے، ان کے چہلم کے بعد عزیز ملت حضرت علامہ شاہ عبد الحفیظ سربراہِ اعلیٰ جامعہ اشرفیہ مبارک پور نے میٹنگ بلائی، پہلے الحاج محمد یونس انصاری مرحوم کے لیے ایصالِ ثواب کیا گیا، اس کے بعد باہم مشورے سے الحاج محمد مظہر مبارک پوری کو انجمن اہلِ سنت و اشرفی دار المطالعہ کا جنرل سکریٹری منتخب کیا گیا، الحاج محمد مظہر صاحب دور اندیش، معاملہ فہم، نیک سیرت اور بڑے تاجر ہیں۔ حضرت عزیز ملت نے مشورے کے بعد اس مرکزی انجمن کے لیے حسب ذیل افراد کا بحیثیت ارکان انتخاب فرمایا:

(۱) الحاج اسرار الحسن، لال چوک، لال کنواں، مبارک پور (۲) الحاج محمود اختر نعمانی، نعمانی دوا خانہ مبارک پور (۳) انجینئر الحاج سلیمان اختر مبارک پوری، زیور محل (۴) الحاج محمود اختر ایڈوکیٹ مبارکپوری (۵) جناب محمد سلیمان، علی نگر، مبارک پور۔

حضرت عزیز ملت نے بحیثیت نگراں صدر سراج الفقہا حضرت مفتی محمد نظام الدین رضوی صدر المدرسین جامعہ اشرفیہ مبارک پور کا نام پیش فرمایا۔

جلسہ عید میلاد النبی ﷺ کے لیے الحاج محمد مظہر مبارک پوری نے باہم مشورے کے بعد چند ناموں کا انتخاب فرمایا۔ سرپرست حضرت عزیز ملت دامت برکاتہم العالیہ، صدارت حضرت سراج الفقہا دامت برکاتہم القدسیہ، بحیثیت خطیب حضرت علامہ عبد الحق رضوی استاذ جامعہ اشرفیہ، آپ کا خطاب عید میلاد النبی ﷺ کی مناسبت سے حاصلِ اجلاس رہا۔ ان کا ذکرِ خیر مسلسل ہو رہا ہے۔ حضرت مولانا شہنشاہ مصباحی نے بھی تقریر کرنے کی سعادت حاصل کی۔ شعرا میں مشتاق یاور اور غیاث الدین تھے۔

جلوسِ عید میلاد النبی ﷺ بھرپور جذبات کے ساتھ ۷ ر بج کر ۳۰ ر منٹ پر شروع ہوا اور رات کے دس بجے جنرل سکریٹری الحاج محمد مظہر مبارک پوری کے شکریہ کے الفاظ پر ختم ہوا۔

جلسۂ سیرت النبی ﷺ اور جلوس عید میلاد النبی ﷺ کے بعد انجینئر حاجی سلیمان اختر زیور محل نے تمام انجمنوں اور دیگر ذمہ داران کو چاندی کا ایک ایک سکہ دے کر حوصلہ افزائی کا سلسلہ شروع کیا۔

جلوس عید میلاد النبی ﷺ جب لال چوک لال کنواں جامعہ اشرفیہ کے رکن مجلسِ شوریٰ الحاج اسرار الحسن صاحب کی قیام گاہ پر پہنچا تو آپ نے انجمن اہلِ سنت و اشرفی دار المطالعہ کے جنرل سکریٹری اور اس انجمن کے تحت آنے والی ۲۱ ر انجمنو کو چاندی کا ایک ایک سکہ دینے کا اعلان کیا۔ ان انجمنوں کو ان کی اچھی نت گوئی کی وجہ سے یہ اعزاز دینے کا شرف حاصل کیا۔ چاندی کے سکے دیتے وقت الحاج اسرار الحسن نے اپنے دولت کدے پر تمام انجمنوں کے ذمہ داروں، حضرت مولانا محمد نعیم الدین عزیزی، الحاج سرفراز احمد ناظم اعلیٰ جامعہ اشرفیہ، الحاج قمر الحق وغیرہ معزز حضرات کو مدعو کیا اور انھیں کے ہاتھوں سے یہ سکے بہ خوشی تقسیم کیے گئے۔ حضرت مولانا نعیم الدین عزیزی کی دعا پر سکوں کی تقسیم کا پروگرام ختم ہوا۔

از: مبارک حسین مصباحی